بچوں میں عزتِ نفس بڑھائیں، انمول احساس جگائیں!

انمول باپ، مینارۂِ نور!

ڈاکٹر صداقت علی

چھوٹی سی کتاب
جو بڑے
نتائج دیتی ہے

ولنگ ویز پبلی کیشنز

ڈاکٹر صداقت علی پاکستان میں نشے کے علاج کے بانی ہیں اور 45 سال سے نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے ڈاؤ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد امریکہ میں ہیزلڈن مناسوٹا سے نشے کے علاج میں اعلیٰ تربیت حاصل کی۔

1992ء میں امریکہ کے سفیر کی دعوت پر امریکہ کا سرکاری دورہ کیا اور نشے کی علاج گاہوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ ڈاکٹر صداقت علی نے نشے کے حوالے سے آگاہی پھیلانے کے لئے بہت سی کتابیں اور کتابچے لکھے ہیں۔ یوٹیوب پر اُن کی 7000 وڈیوز ہیں۔ اس آگاہی کا مقصد نشے کے بڑھتے رجحان اور بے راہ روی کو روکنے کے لئے والدین کی تربیت کرنا ہے۔

ولنگ ویز اور صداقت کلینک کے دروازے 1978 میں کھلے۔ ان گنت تباہ حال زندگیاں سنبھل گئیں اور گھر ٹوٹنے سے بچ گئے۔ الحمدللہ ولنگ ویز اور صداقت کلینک نشے کی بیماری کے معیاری علاج میں تسلیم شدہ راہنما ادارے ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں:

ولنگ ویز لاہور	ولنگ ویز اسلام آباد	ولنگ ویز کراچی
Â-71 جیل روڈ لاہور۔	پھلگراں سترہ میل	C-159 بلاک 2 کلفٹن کراچی
0300-7413639	0334-5145145	0300-2155956

صداقت کلینک مری	صداقت کلینک کراچی
ڈن لیتھ کارٹ روڈ مری	A-1/29-1 ناظم آباد کراچی
0300-1064909	0314-6865271

ولنگ ویز پبلی کیشنز 71A جیل روڈ لاہور۔
042-35408412, 35408419

ہماری ویب سائٹس وزٹ کیجیے۔
www.willingways.org
www.sadaqatclinic.com

کتاب: انمول باپ، مینارہ نور! قیمت: -/595 روپے

انمول باپ، مینارہ نور!

ڈاکٹر صداقت علی

چھوٹی سی کتاب
جو بڑے
نتائج دیتی ہے

ولنگ ویز پبلی کیشنز 71A جیل روڈ لاہور۔
042-35408412,35408419

ابتدائیہ

آئیں! ایک کہانی سنیں!

ایک بادشاہ نے اپنے وزیراعظم کو بلایا اور کہا، ''کیوں نہ ہم کام بانٹ لیں؟ تمام سزائیں آپ دیا کریں اور تمام انعام میں دیا کروں؟'' جب بادشاہ کسی سے کام کہتا تو وہ کبھی کرتا کبھی نہیں، لیکن جب وزیراعظم حکم دیتا تو لوگ بھاگ بھاگ کر کام کرتے۔ بادشاہ کو بہت بُرا لگا، اُس نے وزیراعظم کو کہا، ''کیوں نہ ہم نئے سرے سے کام بانٹ لیں؟ اب میں سزائیں دیا کروں گا اور آپ انعام۔''

بادشاہ سلامتی دینے والا اور نرم مزاج شخص تھا، جب اس نے سزائیں دینا شروع کیں تو لوگوں نے کہا، ''اس بڈھے گھوسٹ کو نکالو۔'' جب وہ لوگ اس کا متبادل تلاش کرنے لگے تو انہوں نے سوچا، یہاں کون ہے جو سدھر گیا ہے؟ پھر انہوں نے وزیراعظم کی طرف دیکھا اور اُسے بادشاہ بنا کر تخت پر بٹھا دیا۔

میں اس بات کو سچ مانتا ہوں کہ اگر آپ اپنے رویئے میں پہلے سخت اور پھر نرم ہو جائیں تو یہ چیز زیادہ موثر ہوگی۔ یہ حکمت عملی بچوں اور بڑوں دونوں پر کام کرتی ہے۔ بچوں کو ڈسپلن کرتے ہوئے ہم کچا دھواں چھوڑنے لگتے ہیں اور انہیں دور کر دیتے ہیں جبکہ ہمارا مقصد غلط رویئے کو دور کرنا اور اپنے پیاروں کو قریب کرنا ہوتا ہے۔

قریباً 50 سال پہلے منا سوٹا امریکہ میں ڈاکٹر ورنان جانسن نے ایک تکنیک دریافت کی۔ انہوں نے ایک شرابی خاتون کی مدد کی، وہ عورت شکستہ جگر کے ساتھ ہسپتال لائی گئی تھی، مگر وہ اب بھی شرابیت کے علاج سے انکاری تھی۔ ڈاکٹر ورنان جانسن نے اس کے تمام خاندان کو

اکٹھا کیا اور کہا کہ وہ خاتون کی شرابیت کے متعلق اپنے آنکھوں دیکھے واقعات کا تذکرہ کریں۔ اس عورت کو بتائیں کہ اس نے شرابیت کے باعث کیا کیا، کیا تھا؟ اور پھر یہ کہ انہوں نے کیا کیا محسوس کیا؟ یعنی وہ ناراض مایوس، پریشان اور تکلیف میں مبتلا ہوئے، پھر اس عورت کو بتائیں کہ وہ اس سے کتنا پیار کرتے ہیں؟ اور اُن کی تمنا ہے کہ وہ زندہ رہے اور آخر میں طرز عمل پر نظر ثانی کی اپیل کریں۔ خاتون علاج پر راضی ہوگئی اور شرابیت کے علاج میں انقلاب آ گیا۔

ادھر 50 سال پہلے ہی کیلیفورنیا میں ڈاکٹر کیمپ ہنری نے بچوں اور والدین کے درمیان جذباتی بندھن پر بہت کام کیا۔ انہوں نے بچوں کو ڈسپلن کرنے کیلئے ایک حیرت انگیز تکنیک ایجاد کی جو تین بنیادی اجزاء پر مبنی تھی یعنی: بچوں کو بتانا کہ انہوں نے کیا غلط کام کیا؟ آپ نے اس بارے میں کیسا محسوس کیا؟ اور پھر طرز عمل پر نظر ثانی کی اپیل کرتے ہوئے یاد دلانا کہ وہ قیمتی اثاثہ ہیں۔ یہ تکنیک بچوں کے رویوں میں خاطر خواہ تبدیلی لاتی ہے۔

کیا بچے واقعی اتنے بھیانک ہوتے ہیں کہ انہیں سمجھایا نہیں جا سکتا؟ میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ ایک نوزائیدہ بچہ کیسے دوسروں سے کام لیتا ہے؟ ہر کوئی اس کا حکم بجا لاتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کو خوشی کا احساس دیتا ہے تاہم بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ اس کی صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے، حتیٰ کہ بڑھاپے میں اس کی کوئی نہیں سنتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بچے ہماری بات مانیں تو انہیں اچھا احساس دینا ہوگا۔

آپ غلطی اور کوتاہی پر بیشک بہت سخت ہوں مگر صرف کارکردگی پر، آپ کبھی کسی بچے کیلئے سخت نہیں ہوتے۔ جب ہم کسی بچے کو سرزنش کرتے ہیں تو اُس کے پسِ پردہ حد درجہ چاہت اور توقیر ہونی چاہیے۔

بچے کو طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کی اپیل کرتے ہوئے لگی لپٹی کے بغیر ٹھیک وہی کچھ بتادیں جو اس نے غلط کیا تھا اور پھر والدین اس حرکت پر اپنا احساس لفظوں میں بتادیں آخر میں والدین گہرا سانس لیں اور کچھ سیکنڈز کے لئے خاموش ہو جائیں تاکہ بچہ بھی محسوس کر سکے، اس کے بعد بچے کو بتادیں کہ وہ ان کا چہیتا اور لاڈلا ہے اور پھر اُسے گلے لگا لیں۔

کسی سے گلہ شکوہ، تنبیہہ، اصلاح، سرزنش یا ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے آخر میں آپ چھوئیں یا نہیں؟ اگر آپ کافی مانوس ہوں اور حقیقی خیر خواہ ہوں تو ''ہاں'' اور اگر کوئی شک ہو تو ''نہیں''، جب آپ چھوتے ہیں تو بچے فوری طور پر جان لیتے ہیں کہ آیا آپ ان کی پرواہ کرتے ہیں یا صرف ان کو تکلیف دینا چاہتے ہیں۔

یاد رکھیں! انسان اور اُس کا رویہ ایک ہی چیز نہیں ہیں، انسان انمول ہے کیونکہ وہ بازار میں نہیں بکتا جبکہ رویئے کا مول ہوتا ہے اور اس کا بھاؤ مارکیٹ طے کرتی ہے۔

یہ انمول طریقے سخت نہیں ہیں اور یہ جذبات سے کھیلنے والی باتیں بھی نہیں ہیں، یہ دوسرے سنہری امور کی طرح ہی ہیں۔ کچھ چیزیں کارآمد ہوتی ہیں اور کچھ نہیں، بہر حال ایماندار ہونا ہمیشہ مفید ثابت ہوتا ہے ورنہ بچوں کے ساتھ تال میل ٹوٹ جاتا ہے، یہ بس اتنی سی بات ہے! انمول طریقوں میں قوت ایمانداری اور پرواہ کرنے سے ہی آتی ہے۔

انمول باپ، مینارہ نور! اسی سلسلے کی کڑی ہے، یہ کتاب اولاد کی پرورش کیلئے نئی راہیں دکھائے گی۔

ڈاکٹر صداقت علی

انمول
انسان اور اس کا رویہ ایک ہی چیز نہیں؛
انسان انمول ہے کیونکہ وہ بازار میں نہیں بکتا!
انسان کے رویئے کا مول ہوتا ہے اور
اس کا بھاؤ مارکیٹ طے کرتی ہے!

”ہم وہی کچھ کیوں کریں، جو ہمارے والدین کرتے تھے!“

تلاش

راشد خان گم سُم بیٹھے تھے۔ان کی یہ حالت کچھ دیر تک رہی، وہ اپنے مسئلے کا حل سوچ رہے تھے۔اُن کی بیوی فوت ہوگئی تھی اور وہ اپنے پانچ بچوں کے ساتھ تنہا رہ گئے تھے۔وہ اوران کی بیوی گلبرک کے عالیشان بنگلے میں اپنے بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔راشد خان کو اندازہ نہیں تھا کہ بچوں کی پرورش کس قدر مشکل ہے؟انہیں معلوم نہ تھا بچوں کی تربیت کیسے کی جاتی ہے؟وہ وہی کچھ کر رہے تھے جو اُن کے والدین کیا کرتے تھے۔وہ سوچ رہے تھے ان کی بیوی نے یہ ذمہ داری کیسے نبھائی ہوگی؟

اب راشد کو احساس ہونے لگا تھا کہ وہ ہمہ وقت انہیں کچھ بتانے کی کوشش کیوں کرتی رہتی تھی؟ راشد اپنے بچوں کے ساتھ جس قدر زیادہ وقت گزارتے،انہیں لگتا کہ وہ بچوں سے اُسی قدر غافل رہے ہیں۔انہیں یاد آیا ان کی بیوی اکثر پریشان اور مایوس نظر آتی تھی۔وہ سوچنے لگے، کتنا اچھا ہوتا کہ وہ بچوں کی پرورش پر توجہ دیتے!

"بچے کس قدر سرکش اور باغی ہو گئے ہیں؟"

بچوں کا رویہ بہت ہی عجیب اور جارحانہ تھا۔ راشد کی بیوی، اکثر انہیں اپنے بچوں کی بدتمیزی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی تھیں، دراصل وہ بچوں کو راشد سے بچایا کرتی تھیں۔

راشد کے بچے سرکش، اور باغی ہو چکے تھے۔ سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ بدتہذیب اور اکھڑ بنتے جا رہے تھے..... راشد ان کی آنکھوں میں دیکھتے تو وہ الجھن اور پریشانی کا شکار نظر آتے؟

کچھ بن جانے کی لگن کے باعث، انہوں نے ازدواجی زندگی کا آغاز بہت تاخیر سے کیا تھا۔ وہ نئی نسل سے بہت لاتعلق تھے۔ کیا سب بچے ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کب اور کیسے ان کے بچے گمراہ ہو گئے، پتا ہی نہ چلا!

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ راشد کو احساس ہونے لگا کہ ان کے بچوں میں دردناک مسائل پیدا ہونے لگے ہیں...... یہ وہ مسائل تھے جن کے متعلق وہ پڑھتے رہتے تھے، اور بلاشبہ، یہ مسائل دیگر گھروں میں بھی موجود تھے۔

”بچوں کی تربیت بارے خود فریبی سے نکلنے کی ضرورت ہے!“

دن بدن وہ میڈیا میں آنے والی خبروں کے باعث پریشان رہنے لگے۔منشیات کے استعمال میں اضافہ،غنڈہ گردی، بدتمیزی،نوجوانوں میں جرائم،حتیٰ کہ متشدد رویئے اور خودکشیاں؛ یہ سب کچھ بہت ہی اذیت ناک تھا۔ وہ ان واقعات کے تناظر میں اپنے گھر کے متعلق سوچنا نہیں چاہتے تھے۔

انہوں نے اپنے ذہن سے یہ سب کچھ بھلا دینا چاہا۔بچوں کی پڑھائی میں دلچسپی برائے نام تھی،دل بہلانے کی خاطر بچے رات گئے تک باہر رہتے تھے۔بڑا بیٹا 19 سالہ بلال تو کئی دفعہ سورج طلوع ہونے کے بعد گھر لوٹتا۔بچے تو ہاتھ سے ہی نکل گئے تھے۔

راشد نے خود کو تسلی دینے کی کوشش کی کہ سب گھرانے اسی قسم کی پریشانی میں مبتلا ہیں .... لیکن پھر، ان کا دل اپنے بچوں کے لئے بھر آیا۔ راشد اپنے بچوں سے بہت محبت کرتے تھے،وہ ان کیلئے کچھ کرنا چاہتے تھے...... ابتدائی قدم کیا ہو؟ انہیں کچھ پتا نہ تھا، راشد ایک زمانے تک خودفریبی میں مبتلا رہے،لیکن اب وہ خودفریبی سے نکل رہے تھے۔

وہ سوچنے لگے،”اور اس فیصلے پر پہنچے،”میرے بچوں کو اب سدھرنے کی ضرورت ہے، ابھی نہیں تو کبھی نہیں!“

ان کا خیال صحیح تھا۔انہوں نے اس اہم منصوبے پر کام شروع کر دیا،انہیں اعتماد تھا کہ وہ اپنے بچوں کو پٹری پر ڈال سکتے ہیں۔ جب بچے ان کے ساتھ بدتمیزی کرتے، وہ بلند آواز سے ڈانٹ ڈپٹ کرتے، ان کے کمروں میں بھیج دیتے، ان کا جیب خرچ بند کر دیتے، یا ان کی اچھی طرح ٹھکائی کرتے،ان طریقوں کے باوجود انہیں اپنے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوئے۔

”آنکھیں نہیں ملائیں گے تو دل کیسے ملیں گے؟“

انہوں نے اپنے بچوں پر مزید سختی شروع کر دی.......اتنی سختی کہ بعض اوقات وہ خود بھی تھک جاتے....... ”نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بچے عارضی طور پر سہم گئے لیکن اندر سے وہ پہلے جیسے ہی تھے، وہ باپ کے سامنے فرمانبردار نظر آتے لیکن ان کے دل نفرت سے بھرے ہوئے تھے، وہ والد سے کبھی آنکھیں نہیں ملاتے تھے۔“

راشد کو گھر کی کشیدہ فضا اور گھٹن زدہ ماحول سے الجھن ہونے لگی۔ وہ اس صورت حال سے مایوس اور پریشان تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اگر انہوں نے مزید سختی کی تو صورت حال بہت بگڑ جائے گی۔ ان کے پاس بچوں کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہی تھی۔ راشد نے بزنس میں بارہا اس قسم کی صورت حال کا سامنا کیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے میں کامیاب رہے تھے۔ اب انہیں کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جنہیں بچوں کی پرورش بارے سب کچھ معلوم ہو!

"بچے صحیح، فائدہ منداور خوشی کا راستہ کیسے چنیں؟"

بچوں کی اصلاح کیسے کی جاتی ہے؟

یہ راشد سے میری پہلی ملاقات تھی، انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور اپنا مسئلہ بیان کیا،"میں اپنے بچوں کو کنٹرول کر سکا اور نہ ہی خود میری زندگی میرے بس میں ہے، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"مجھے بخوبی اندازہ ہے"، پھر میں نے پوچھا،"آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو کنٹرول کرنا اور انہیں اپنی مرضی پر چلانا ضروری ہے؟"

راشد نے خاموشی سے یہ بات سنی اور کنفیوز ہو گیا۔ انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا،"......میں اُن کا بھلا چاہتا ہوں، اسلئے۔"

میں نے سوال کیا،"آپ کے لئے کیا آسان ہے؟ بچوں کو روزانہ مچھلی پکڑ کر کھلانا یا انہیں مچھلی پکڑنا سیکھا دینا؟ آپ اُن پر ہمیشہ کڑی نگاہ رکھنا چاہتے ہیں یا ان کے اندر روشنی کا دیا جلانا چاہتے ہیں؟"

راشد کہنے لگے،"آپ کی مراد یہ ہے کہ میں انہیں اس قابل بنادوں، کہ وہ صحیح اور فائدہ مند راستہ چن سکیں، وہ جان لیں کہ سیدھے راستے پر چلنے میں ہی فائدہ اور مزہ ہے، سب والدین کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ میرے بچے اچھے انسان بنیں اور خوش رہیں۔"

میں نے پھر سوال کیا،"آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟"

راشد نے جواب دیا،"بچوں کی بدتمیزی اور بغاوت! مجھے خوش رکھنا تو دور کی بات ہے، بچے میرے ساتھ بہت بدسلوکی کرتے ہیں۔"

”صحیح طریقوں کی بجائے ہم جگاڑ کیوں پسند کرتے ہیں؟“

میں نے زور دے کر پوچھا، ”آپ کے ساتھ...... بُرا سلوک....... کرتے ہیں؟“
”زیادہ غم تو اس بات کا ہے کہ وہ اپنی زندگی خراب کر رہے ہیں“، راشد نے شکستہ انداز میں دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ لئے، ”مجھے اپنا بڑھاپا خراب نظر آ رہا ہے۔“
میں نے بات شروع کی، ”ہم سب کو دولت شہرت اور اختیار چاہیے، جبکہ سائنس کا صاف پیغام یہ ہے کہ گھر، دفتر اور معاشرے میں اچھے تعلقات ہی خوشی اور لمبی زندگی کا راز ہے“، میں نے اپنی بات جاری رکھی، ”یہ وقت کی تسلیم شدہ دانائی ہے اور پہاڑوں جتنی قدیم ہے لیکن ہم اسے نظر انداز کر کے آسانی سے بھول جاتے ہیں۔“
راشد کی نظروں میں اُمید اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے، وہ تھوڑا آگے ہو کر بیٹھ گئے اور پوچھا، ”ایسا کیوں؟ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے بچے سدھر جائیں۔“
میں نے کہا، ”یہ خواہش اچھی ہے، لیکن ہم سب صحیح طریقوں کی بجائے جگاڑ پسند کرتے ہیں، اسی لئے کوئی حقیقی اور مستند بات بتائے تو ہم ”کتابی باتیں“ کہہ کر اگلی دوکان پر چلے جاتے ہیں۔ بچوں کی اصلاح اور تربیت کے انمول طریقے سیکھنے کے لئے چند دن درکار ہوں گے۔ درحقیقت، جب آپ بچوں کی تربیت کا انمول پروگرام اپنائیں گے تو شروع میں کچھ اجنبی لگے گا، آپ کو محسوس ہو گا یہ آپ خود نہیں، کوئی اور ہے۔“

”عزتِ نفس ہو تو دوسروں کا احترام یقینی ہے!“

راشد نے تبصرہ کیا، ”اپنے کیریئر کا آغاز میں نے سیلز مین کے طور پر کیا تھا سیلز ٹریننگ میں کچھ خاص اقدامات بہت مصنوعی لگے، تاہم کچھ عرصہ بعد یہ سب مجھے فطری محسوس ہونے لگا اور کچھ طے شدہ طریقوں پر چلنے کی وجہ سے مجھے پے در پے کامیابیاں ملیں۔“

میں نے کہا، ”میرے پاس آپ کے لئے خوش خبری ہے۔ آپ بچوں کو یہ بات سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ اہل خانہ کے خراب تعلقات اُن کی کامیابیوں کا مزہ کرکرا کر دیتے ہیں، اور یہ کہ وہ نئے سرے سے خوش رہنا کیسے سیکھ سکتے ہیں؟ آپ کے بچے جب اپنی عزت کرنا سیکھ لیں گے تو دل سے آپ کا احترام بھی کریں گے۔ حالات کو کم از کم اتنا سازگار رکھنا ضروری ہے کہ بات چیت پُر امن رہے، ویسے بھی تنازعات کے بیچ منجدھار میں رہنا اذیت ناک ہے۔“

راشد نے جواب دیا، ”بہت ہی شاندار خواب ہے! ہم کہاں سے شروع کریں؟“

میں نے کہا، ”شروع تو ہم کر چکے ہیں۔ اچھے تعلقات کوئی گول نہیں ہے، مقصد حیات ہے۔ زندگی پیچیدہ ہے اور اس کی پراگندگی عمر بھر چلتی رہتی ہے۔ گھریلو تعلقات کیلئے سخت محنت کرنا پڑتی ہے اور یہ سیکسی اور گلیمرس نہیں ہوتی۔ یہ محنت زندگی بھر کرنا پڑتی ہے۔“

راشد نے کہا، ”کیا بات ہے، آپ کیسے سمجھاتے ہیں؟ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تعلقات پر کوئی آنچ نہیں آنے والی۔ رشتوں میں یہ بھروسہ لازم ہے کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔“

”سادہ اور آسان چیزیں ہی قابل عمل ہوتی ہیں!“

میں نے کہا،”آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں“، میں نے اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، ”سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اچھا اور بہترین نظم وضبط کیا ہے؟ کیا بچے ایسا سوچتے ہیں کہ ڈسپلن سے انہیں خوشی ملے گی؟ بچے جاننا چاہتے ہیں کہ اس سودے میں اُن کے لئے کیا ہے؟ یہ سننا اُن کا فیورٹ ریڈیو اسٹیشن ہے۔ نظم وضبط میں رہنے والے دوسروں کو مشکل میں پھنسے نظر آتے ہیں لیکن اصل میں اُن کی زندگی میٹھے پانی کے چشمے کی طرح بہہ رہی ہوتی ہے۔“

راشد نے سوچتے ہوئے کہا،”کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں ”سزا“ کی بجائے جزا کو ہی سامنے رکھوں اور ایک استاد کی طرح انہیں ڈسپلن کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا لطف اُٹھانے کے قابل بنادوں؟“

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا،”یہ طریقہ حیرت انگیز طور پر سادہ اور سیکھنے میں بہت آسان ہے۔ اسے سرانجام دیتے ہوئے بہت کم وقت لگتا ہے۔“

راشد حیران رہ گئے اور کہنے لگے،”ڈاکٹر صداقت! میرے بچے بہت ڈھیٹ ہو چکے ہیں، مجھے خدشہ ہے یہ پروگرام میرے بچوں کے لئے کارآمد اور مفید نہیں ہوگا!“

میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا،”میں آپ کے خدشات سمجھ سکتا ہوں، میری تمام ٹریننگ یہی بتاتی ہے کہ سادہ اور آسان چیزیں ہی قابل عمل ہوتی ہیں۔“

”آپ ڈانٹ ڈپٹ سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟“

راشد نے فیصلہ کن لہجے میں پوچھا، ”سب سے پہلے مجھے کیا کرنا ہے؟“
میں نے کہنا شروع کیا، ”آپ کو یہ سمجھنا ہے کہ آپ نظم وضبط اور سرزنش کے ذریعے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ سب سے پہلے آپ کو یاد رکھنا ہے بچوں کو تہذیب واخلاق سکھاتے ہوئے اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ وہ اپنے برے رویئے کو تو بُرا سمجھیں لیکن اپنی ذات اور شخصیت کو اچھا سمجھتے رہیں!“
راشد نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور کہنے لگے، ”آپ کی یہ بات بہت ہی اچھی لگی، میں نے یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اپنے رویئے اور اپنی ذات کے متعلق سوچنے میں کوئی فرق ہوتا ہے، میرا خیال تھا کہ یہ ایک ہی بات ہے۔“
میں نے جواب دیا، ”مجھے آپ کی یہ بات سن کر خوشی ہوئی۔ ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ بچے بھی ہماری ہی طرح ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص ہمارے رویئے کو نشانہ بناتا ہے، تو ہم سمجھتے کہ وہ ہماری ذات کو نشانہ بنا رہا ہے اسی لئے ہم اپنا دفاع کرنے لگتے ہیں۔“
راشد نے کہا، ”ہمیں یوں لگتا ہے جیسے ہماری ہستی خطرے میں ہے!“
میں نے کہا، ”یہی بات ہے، اور اکثر تو لوگ ہمارے رویئے کے ساتھ ساتھ ذات کو بھی نشانے پر رکھ لیتے ہیں، جب ہم خطرے میں گھِر جائیں تو پھر ہم دفاع کرتے ہیں، اٹیک کرتے ہیں، منجمد ہو جاتے ہیں یا پھر راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔“

”بچے دل میں بسنے والے شہزادے اور شہزادیاں ہیں!“

راشد نے اعتراف کرتے ہوئے کہا، ”میرے بچے بھی سمجھتے ہیں کہ وہ کسی خطرناک جنگل میں ہیں اور شیر آ گیا ہے۔ صاف بات تو یہ ہے کہ میں بہت بیتاب ہوں، بتائیں میں کیا کروں؟“

میں نے نرم لہجے میں کہا، ”اپنے ہر بچے کے ساتھ انفرادی اور نجی طور پر معاملہ طے کریں۔ اگر آپ بچوں سے ناراض بھی ہوں تو اُن سے اپنے پیار کو ہرگز نہ بھولیں، یاد رکھیں! وہ آپ کے دل میں بسنے والے شہزادے شہزادیاں ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کو دو باتیں یاد رکھنی ہیں، حقیقی غصے کے پس منظر میں حقیقی پیار کو چھپنے نہ دیں، انہیں اکٹھا محسوس کریں اور اکٹھا بروئے کار لائیں۔ غصہ اپنے پاؤں پر کھڑا رہتا ہے جبکہ محبت کو قائم کرنا پڑتا ہے، یوں سمجھیں کہ یہ تاکید محبت ہے اور یہ سیکھنے کا کام ہے! دوسری بات یہ کہ بچوں کو سمجھاتے ہوئے پختہ یقین رکھیں کہ آپ کے بچے کا رویہ خراب ہو سکتا ہے، لیکن وہ ناقص نہیں ہے۔“

”ہمیں کیسے پتا چلے؟“ راشد کنفیوز تھے۔

”ایسا ہمیں فرض کرنا پڑے گا“، میں نے جواب دیا، ”جیسے ریاضی میں سوال مشکل ہو تو آغاز میں کچھ فرض کرنا پڑتا ہے۔“

راشد نے بے تابی سے پوچھا، ”بچہ کوتاہی کرے تو کیا کریں؟“

”بچے ریت کے تھیلے نہیں آپ ان پر مکہ بازی نہ کریں!“

”آپ نظر ثانی کے لئے کہیں“، میں نے بات جاری رکھی، ”اس میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ آپ اپنے بچے کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھیں، اسے صاف صاف بتا دیں کہ اس نے کیا غلط کیا ہے؟ آپ زوردار انداز اختیار کریں۔ اُسے کہیں، ”آپ رات گئے گھر لوٹے ہیں! آپ نے مجھے جاتے ہوئے بتایا بھی نہیں، اس ہفتے میں دوبار آپ نے ایسا کیا ہے!“
پھر اپنے بچے کو دھیمے لہجے میں بتائیں کہ اس حرکت پر آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں، ”اگر آپ غصے میں ہیں، تو اپنے غصے کا اظہار غصے میں کریں، مجھے آپ پر غصہ ہے، میں بہت ناراض ہوں، میں حد سے زیادہ ناراض ہوں۔“
اگر آپ افسردہ ہیں، تو افسردہ ہو جائیں، آپ جو کچھ بھی محسوس کرتے ہیں، اس کیفیت کا اظہار نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ کر دیں اور نہایت جذباتی انداز اختیار کریں۔ اس گفتگو کے پہلے حصے میں آپ اپنے بچے کو یہ احساس دلا دیں کہ آپ راضی نہیں ہیں، آپ اپ سیٹ ہیں، آپ چاہتے کہ بچہ نا صرف یہ بات سنے بلکہ درحقیقت محسوس کرے۔“
پھر میں نے راشد کو خبردار کرتے ہوئے کہا، ”آپ کو یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ آپ کے بچے ریت کے تھیلے نہیں ہیں، آپ ان پر مکہ بازی کی مشق نہیں کر سکتے۔ آپ لفظوں میں انہیں اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں، پھر ایک لمحہ رک جائیں“، میں نے بات جاری رکھی، ”کچھ دیر کے لئے ناخوشگوار خاموشی برقرار رہنے دیں، یہ جادوئی اثر خاموشی کارگر ہوگی۔“

”سرزنش کی بجائے طرزعمل میں نظرثانی کیلئے کہہ دیں!“

یہ سب کچھ سننے کے بعد راشد نے کچھ دیر سوچا، اور پھر آہستہ سے بولے، ”ان لمحات میں بچہ کچھ تکلیف محسوس کرے گا، تاہم ان باتوں کا مقصد ہی تکلیف پیدا کرنا ہے تاکہ وہ آئندہ محتاط رہے۔“

میں نے کہا، ”لیکن خاموشی زیادہ دیر برقرار رہے تو تکلیف حد سے بڑھ سکتی ہے۔“

راشد نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا اور سوچنے لگے، پھر انہوں نے پوچھا، ”جب منفی تبصروں کے باعث میرا بچہ مجھ سے ناراض ہو، اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرے تو پھر میں کیا کروں؟“

میں نے جواب دیا، ”اس مسئلے کا حل دوسرے حصے میں ہے، اور یہی کامیابی کی کنجی ہے۔ دوسرا حصہ ہی انہیں اپنے رویوں میں اصلاح کی طرف مائل کرتا ہے“، میں نے خبردار کرتے ہوئے کہا، ”جب آپ بچوں کی اصلاح اور نظم وضبط کا کام اچھی طرح سیکھ لیں گے تو یہ آسان ہو جائے گا۔ ابتدا میں آپ کو مشکل پیش آسکتی ہے۔“

راشد نے پوچھا، ”میں سمجھ گیا اب میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے؟“

”جتنا یقین کریں گے اتنا ہی کامیاب ہوں گے!“

”آپ نے اپنے بچے کو پہلے حصے میں بتایا کہ اُس نے کیا کوتاہی کی ہے؟ آپ ناراض ہیں اوراپ سیٹ بھی، اب ایک گہرا سانس لیں اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرلیں، اور سیٹ ہو جائیں، پھر بچے کی طرف دیکھیں اور اسے شفقت بھرے انداز میں چھوئیں تا کہ وہ جان لے کہ بُرا وقت بیت گیا ہے۔ پھر اس کے بعد اپنے بچے کو باقی سچ بھی بتا دیں، وہ آپ کی طرف سے یہی کچھ سننے کا منتظر ہے۔ آپ کہہ دیں کہ وہ ایک اچھا بچہ ہے اور ساتھ ہی طرز عمل پر نظر ثانی کیلئے کہہ دیں“، میں نے اپنی بات جاری رکھی، ”مجھے معلوم ہے یہ حصہ نہایت ہی مشکل ہے لیکن یہ ضروری ہے“، پھر اپنے بچے کو گلے لگائیں اور تجدید محبت کریں۔“

راشد نے کہا، ”یہ تو نا قابل یقین ہے۔“

میں نے کہا، ”یقین تو کرنا ہی پڑے گا، جس قدر آپ یقین کریں گے، اتنا ہی کامیاب ہوں گے۔ چاہے آپ کے بچے ابتداء میں مزاحمت کریں، آپ اور آپ کے بچے جلد شاندار نتائج حاصل کرلیں گے۔ اکثر گھرانوں میں، میں نے ایسا ہی دیکھا ہے۔ ان میں سے چند گھرانوں نے مجھے بہت ہی اہم سبق سکھایا۔“

راشد نے پوچھا، ”وہ سبق کیا ہے؟“

میں نے کہا، ”جب میں نے پہلی دفعہ یہ طریقہ وضع کیا تو میرے خیال کے مطابق یہ ”بچوں کو ڈسپلن کرنے کا ایک طریقہ تھا۔“

راشد نے پوچھا، ”اور پھر بعد میں کیا ہوا؟“

”جذبات کی پشت پناہی کے بغیر دلیل کچھ بھی نہیں!“

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا، ”کچھ عرصہ بعد آپ محسوس کریں گے کہ درحقیقت آپ بچوں کے ساتھ اپنے جذبات کا لین دین بھی کرتے ہیں۔“

راشد نے بات کاٹتے ہوئے کہا، ”مطلب یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس میں دلیل کے پس پردہ جذبات کی قوت ہوتی ہے؟“

میں نے کہا، ”بلاشبہ، لیکن بچے بھی دل کی بات کرنا چاہتے ہیں، اُن کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔“

راشد نے کہا، ”کیا آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ بھی اپنے خیالات وجذبات کا اظہار ایمانداری سے کرنے لگیں گے؟“

میں نے جواب دیا، ”بالکل یہی بات ہے“، جب آپ انمول پروگرام کو اوڑھنا بچھونا بنالیں گے تو آپ پُر اعتماد بھی ہو جائیں گے، پھر شاید آپ چاہیں کہ بچے بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی کریں۔“

راشد نے کہا، ”بہت خوب! یہ تو سونے پر سہاگے والی بات ہوگئی!“

راشد نے جو کچھ سنا تھا، اس کے متعلق خلاصہ تیار کیا، پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے مصافحہ کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور انہیں دعوت دی کہ یہ طریقہ استعمال کرتے ہوئے کوئی مشکل آن پڑے تو میں ایک فون کے فاصلے پر ہوں۔

”بچوں کی اصلاح کرتے ہوئے جذباتی یوٹرن ضروری ہے!“

اپنی کار کی طرف واپس جاتے ہوئے راشد سوچ رہے تھے،” یہ طریقہ بظاہر کافی سادہ اور آسان نظر آتا ہے لیکن اس پرعمل دشوار ہوگا۔ میں حیران ہوں، کیا میں اپنے بچوں کو یہ بتا سکتا ہوں کہ میں کیا محسوس کررہا ہوں؟ یہ کام تو میرے لئے کبھی آسان نہ تھا۔ اوراس سے بھی زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے میں انہیں کہوں کہ میں ناراض ہوں، بہت ناراض ہوں، پھر میں تیزی سے پرسکون ہو جاؤں، انہیں گلے لگاؤں، انہیں یاد دلاؤں کہ وہ اچھے بچے ہیں اور میں ان سے پیار کرتا ہوں۔ کیا کوئی ایسے جذباتی یوٹرن لے سکتا ہے؟ کیا میں روبوٹ ہوں؟“ راشد نے سر کو جھٹکا اور فیصلہ کیا،” بچوں کی کایا پلٹنے کیلئے اپنے آپ میں انقلاب لانا ہوگا۔“

” راشد نے فیصلہ کیا کہ یہ نیا طریقہ اپنانا ضروری ہے۔ جب وہ اپنی کار کی طرف واپس گئے تو انہوں نے اپنی اور بچوں کی عزت نفس پر کام کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ کیونکہ عزت نفس رویئے کو بہتر بنا دیتی ہے، انسان جس قدر اپنی شخصیت کو پسند کرتے ہیں بہتر رویہ اُن کے لئے اتنا ہی آسان ہو جاتا ہے۔“

☆☆☆

خلاصہ: انمول نظر ثانی کی اپیل

1- جتنا جلد ممکن ہو، آپ بچوں کو بتا دیتے ہیں کہ انہوں نے کیا ''کوتاہی'' کی ہے؟

2- بچے کو بتا دیں کہ جو کچھ اس نے کیا ہے، آپ اس کے متعلق کس قدر ناراضی، رنج اور غم محسوس کر رہے ہیں۔

3- پھر چند ناخوشگوار لمحات کے لئے خاموش ہو جائیں تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے اور آپ کا پیغام بچے کے دل میں اتر جائے۔

4- پھر آپ پُرسکون ہو جائیں، اپنا دل ٹھنڈا کر لیں، اپنے بچے کو محبت بھرے انداز میں چھوئیں اور تجدید محبت کر لیں، تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ آپ اُسے اپنائے رکھیں گے۔

5- اپنے بچے کو باور کروائیں کہ اگرچہ اس کا موجودہ رویہ قابلِ قبول نہیں ہے، تاہم آپ اب بھی اسے عزیز از جان سمجھتے ہیں، ساتھ ہی آپ اُسے طرزِ عمل میں نظر ثانی کی اپیل کر دیں۔

6- اپنے بچے کو بتائیں کہ وہ اچھا انسان ہے اور آپ اس سے پیار کرتے ہیں، پھر آپ اسے گلے لگا لیتے ہیں۔ ایک طرح سے آپ اُسے بتا دیتے ہیں کہ اب رنجش ختم ہو چکی ہے۔ آپ اس کے بعد غصے والی باتیں نہیں کرتے اور آپ اسے جلی کٹی بھی نہیں سناتے۔

7- بچوں کے ساتھ نظر ثانی کی اپیل میں بہت کم وقت لگتا ہے تاہم اس کے اثرات دیر تک مستقل محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆

”سرزنش کا مقصد رویہ بدلنے کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟“

جب راشد اپنے گھر واپس پہنچے تو ان کی ملاقات اپنے پانچوں بچوں سے ہوئی۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ یہ ملاقات ناخوشگوار ہوگی، تاہم اب وہ خوف سے آزاد تھے۔ انہوں نے سوچا، ”مجھے اچھا باپ ثابت ہونا چاہیے تھا“، پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے خود کلامی کی ”اور صاف بات تو یہ ہے بچو، اگر آپ بھی بہتر رویئے کا مظاہرہ کرتے تو مجھے اچھا لگتا۔“

ایک یادوں کی بارات چل رہی تھی، ”میں نے جو بھی کام کیا، کامیاب رہا، لیکن مجھے شرمندگی ہے کہ میں نے اپنی زندگی کے سب سے اہم شعبے کو نظر انداز کیا۔“

پھر راشد نے اپنے بچوں کو وہ کچھ بتایا جو انہوں نے ڈاکٹر صداقت علی سے انمول پروگرام بارے سنا تھا۔ بچوں نے بہت سوالات پوچھے، انہوں نے ایمانداری سے جواب دے دیئے۔

راشد نے بتایا، ”جب میں بچہ تھا تو میں بھی شائستہ رویوں کا خواہشمند تھا..... لیکن مجھے اچھے رویئے کبھی نہ ملے، مجھے سونے کا نوالہ دیا گیا لیکن ہمیشہ شیر کی آنکھ سے دیکھا گیا۔ میں کبھی ”اچھا بچہ“ نہ بن سکا تھا، اور جیسا باپ بنا وہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔“

پھر انہوں نے اپنے ہر بچے کو موقع دیا کہ وہ اپنی مرضی کا طریقہ چُن لے۔ کوتاہی پر پہلے کی طرح پٹائی اور بے عزتی کروا لے یا پھر نئے طریقے سے فقط نظر ثانی کی اپیل سن لے؟ بچوں کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا، لہٰذا وہ چپ سادھ لئے۔

راشد سوچنے لگے، ”جب میرے بچے کوتاہی کریں، تو میں اُن سے جو بات چیت کروں تو اس کا مقصد اُن کے رویوں کو بدلنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟“

”آپ ایسی شرط لگائیں جو آپ جیتیں یا برابر رہیں!“

راشد کو کاروباری زندگی کے دوران پتا چل گیا تھا کہ جب لوگ کسی ایسے فیصلے میں شریک ہوتے ہیں جو اُن کیلئے نفع یا نقصان کا باعث بن سکتا ہو، تو زیادہ پر جوش اور سر گرم ہوتے ہیں۔ لوگ ایسے منصوبوں سے لاتعلق نہیں رہتے۔

پھر راشد نے کہا، ”بچو! ذرا سوچیں، کہ اگر ایسی شرط لگائیں جو آپ جیت سکتے ہیں یا پھر برابر رہ سکتے ہیں، تو آپ کو کیسا لگے گا؟ اگر انمول نظرِ ثانی سے ہم اپنے گھر کی فضا خوشگوار بنا لیتے ہیں یا پھر حالات پہلے کی طرح جوں کے توں رہتے ہیں تو آپ اسے قبول کریں گے؟“

سب سے بڑا بیٹا بلال ایک ناراض نوجوان تھا، کہنے لگا، ”کامیاب ہونے یا حالات جوں کے توں رہنے کی کسے پروا ہے؟ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

راشد نے جواب دیا، ”بہت خوب! اگر واقعی آپ کا یہی مطلب ہے تو پھر میں آپ کا رویہ اسی طرح ”درست“ کروں گا جیسے پہلے سے کرتا آیا ہوں“، پھر وہ مڑے اور پوچھا، ”باقی سب کا کیا خیال ہے؟“

دوسرے بچے، اپنے بڑے بھائی کے طرزِ عمل سے بیزار ہو چکے تھے۔ منجھلی بیٹی آمنہ بولی، ”مجھے آپ کی بات صحیح لگتی ہے“، پھر 9 سالہ بیٹے وسیم نے بھی فیصلہ کن لہجے میں کہا، ”میرا بھی یہی خیال ہے۔“

بڑی بیٹی 23 سالہ ریشم نے پوچھا، ”کیا میں کچھ سوچ بچار کے بعد فیصلہ کر سکتی ہوں؟“

راشد نے مصنوعی غراہٹ کے ساتھ کہا، ”ٹھیک ہے، فی الحال آپ کی پٹائی کرتا رہوں گا۔“

ریشم کہنے لگی، ”اوہ، اب میں انمول نظرِ ثانی کر لیتی ہوں، میرا خیال ہے کہ میرے لئے نیا طریقہ ہی ٹھیک رہے گا۔“

”انمول نظر ثانی دراصل اعلیٰ درجے کی سرزنش ہے!“

پھر راشد نے ایک نہایت ہی دانشمندانہ کام کیا۔ انہوں نے ایمانداری سے اعتراف کیا، ”سچ تو یہ ہے کہ مجھے معلوم ہی نہیں کہ میں یہ اعلیٰ درجے کی سرزنش کرسکتا ہوں یا نہیں؟“

میں جذبات کا اظہار اچھی طرح نہیں کرسکتا۔ میں نے تو اپنے والد کو بھی ایسا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا! مجھے ذرا برابر بھی نہیں معلوم کہ میں یہ کام کیسے کروں گا؟“

بڑے بیٹے بلال نے جواب دیا، ”آپ کم از کم کوشش تو کرسکتے ہیں!“

”راشد نہیں جانتے تھے بلال کا یہ جملہ طنزیہ تھا یا کسی اُمید کا عکاس؟ تاہم انہیں عجیب لگا کہ جس بچے کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اب وہی انہیں کہہ رہا ہے کہ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟ بچے اس بات سے بہت متاثر ہوئے کہ راشد نے انہیں انمول نظر ثانی کے متعلق اپنے حقیقی خدشات سے آگاہ کردیا اور ہر ایک کو اپنی مرضی کا اختیار دے دیا۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ انہوں نے صاف صاف اعتراف کرلیا تھا کہ وہ نئے طریقے بارے گومگو کی کیفیت میں ہیں۔“

”اس کے بعد راشد نے ایک کے سوا باقی بچوں کی نئے انداز میں سرزنش کرنا شروع کردی اور اسے نظر ثانی کی اپیل کہنا شروع کردیا۔ اس عمل کے دوران انہوں نے دیکھا کہ سب بچوں کی طرف سے مزاحمت ہورہی ہے۔ ہر بچہ اپنے اپنے طریقے سے کوشش کررہا تھا کہ ان کے والد سرزنش کا یہ طریقہ روک دیں۔ اس کے بعد جب بھی راشد ان کی سرزنش کررہے ہوتے وہ اپنے والد کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے اور یوں اداکاری کرتے جیسے وہ بیزار ہیں، یا پھر نہایت خفگی کے عالم میں چھت کو گھورتے رہتے۔ وہ نہایت اضطراب کے عالم میں ہنس رہے ہوتے اور اس طریقے کا مذاق اُڑاتے۔“

"انمول نظر ثانی آخر میں اچھا احساس دیتی ہے!"

آپ نے دیکھا ہوگا، ''جب سٹیج ڈرامے کا ایک اداکار دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو اسے کتنی مشکلات پیش آتی ہیں، صرف ٹائمنگ میں معمول خرابی، ہوٹنگ کا باعث بن جاتی ہے۔''

''چھوٹی بیٹی فاطمہ اپنے ننھے ننھے ہاتھ کانوں پر رکھ لیتی، اپنے ہونٹ سختی کے ساتھ بھینچ لیتی اور یوں ظاہر کرتی جیسے اسے اپنے گردو پیش کی کوئی خبر ہی نہیں۔''

''چھوٹا بیٹا وسیم تمسخر اُڑانے کیلئے اپنی کلائی پر بندھی فرضی گھڑی کی طرف دیکھنا شروع کر دیتا، وہ اپنے والد کو وقت کا احساس دلانے کی کوشش کرتا اور طنزیہ مسکراتا، اسے معلوم تھا کہ ان کا والد انہیں نئے طریقے سے تنبیہ کر رہا ہے اور اس کا دورانیہ ایک منٹ سے بھی کم ہوتا ہے، اس کی خواہش تھی کہ ان کے والد کو معلوم ہو جائے اُسے یہ اچھا نہیں لگ رہا۔''

''کئی دفعہ تو انہوں نے موقع سے بھاگنے کی کوشش کی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی یہ سب کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن راشد نے انمول نظر ثانی کی اپیل جاری رکھی ۔ بچوں نے اسے سبوتاژ کرنے کی جتنی کوششیں کیں، راشد پر کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے اپنی کیفیات کا برملا اظہار جاری رکھا۔''

”بچہ گلے لگانے پر اکڑ جائے تومطلب ناراض ہے!“

بچوں نے بھی محسوس کرلیا کہ ان کے والد ناراض ہیں، رنجیدہ ہیں اور مایوس بھی ہیں، اور وہ اپنے والد کی یہ سوچ اور احساس پسند نہیں کرتے تھے۔لیکن انہیں سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی، جب غصہ ٹھنڈا ہونے پر وہ پُرسکون ہو جاتے، انہیں محبت بھرے انداز میں چھوتے، اور انہیں بتاتے،”آپ اچھے بچے ہیں اور اپنے رویوں کو بہتر بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔“

اور پھر راشد انہیں یاد دلاتے،”میں آپ سے کس قدر محبت کرتا ہوں؟ یہ وہ الفاظ تھے جو وہ اپنے والد سے سننا چاہتے تھے، لیکن راشد کو ان کے رویوں سے پتا نہ چلتا اور جب وہ انہیں گلے سے لگاتے تو اُن کا جسم اکڑ جاتا،“ راشد پریشان ہو جاتے، انہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہ آتی۔...... کم ازکم شروع شروع میں تو راشد اس کا تجزیہ کرنے میں ناکام رہتے۔“

پہلے پہل تو بچوں نے انمول نظر ثانی کے دوران اپنے والد کو جواب دینے کی کوشش کی، ان کے پاس بہت بہانے تھے اور ہر بچہ، باپ کو اپنے رویئے کی وجہ بتانا چاہتا تھا، انہوں نے خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن جب بھی انہوں نے ایسا کیا، راشد نے غصہ برقرار رکھتے ہوئے بات جاری رکھی اور کہا،”یہ کوئی دوطرفہ مذاکرات نہیں ہیں، میں آپ سے یک طرفہ اور مختصر بات کر رہا ہوں! یہ خودکلامی کی طرح ہے، جیسے میں با آواز بلند اپنی سوچ اور جذبات نشر کر رہا ہوں، اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ دراز ہو، تو اپنا دفاع جاری رکھیں، یا ابھی صرف سُن لیں تو مناسب ہے۔“

"نظر ثانی کی اپیل میں آپ بات کرتے ہیں، بچے سنتے ہیں!"

بچوں کو جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ ان کے والد انہیں بتا کر رہیں گے کہ ان کے خراب رویئے کے باعث، وہ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟ بعد میں راشد نے ایک اور رویہ اپنایا، جس کے باعث اس گھرانے میں انقلاب آ گیا۔" انہوں نے اپنے بچوں سے کہا کہ وہ اگلے دن اسی وقت ان کے پاس آ کر اپنا موقف بیان کر سکتے ہیں۔ جب ایک دن گزر جاتا تو بچے سوچتے کہ ان کے والد نے ان سے جو کچھ بھی کہا تھا، وہ صحیح ہے، اور اب انہیں دوبارہ کوئی بات کرنے یا عذر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بہر حال، جب کبھی کوئی بچہ اپنے والد کے پاس کچھ کہنے کے لئے آتا، وہ ان کی بات نہایت توجہ سے سُن لیتے۔ وہ چاہتے تھے کہ جب وہ اپنے بچوں سے بات کریں تو وہ بھی ان کی بات غور سے سنیں۔ چند ہفتوں بعد راشد نے محسوس کیا کہ ان کے بچوں میں بہتری پیدا ہو رہی ہے۔ بلاشبہ بچوں کے رویئے میں یہ اصلاح یک دم واقع نہیں ہوئی، انہیں کامیابی کیلئے کچھ نہ کچھ پریشانی مول لینا پڑی۔

”بچوں کا رویہ خراب ہوسکتا ہے، ان کی شخصیت بُری نہیں ہوتی!“

اگرچہ انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ خاص سرزنش کارگر ہوگی لیکن راشد یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بچوں کے رویوں میں یہ تبدیلی کس قدر ڈرامائی تھی۔ تجسس کے مارے ایک دن انہوں نے اپنے بیٹے وسیم سے پوچھ ہی لیا کہ ان کے رویوں میں تبدیلی اور اصلاح کے ضمن میں انمول نظرِ ثانی کا کیا کردار ہے؟

وسیم نے جواب دیا، ”مجھے یہ طریقہ پسند نہیں ہے۔ یہ بہت تکلیف دہ ہے اور اس کے اثرات بہت دیر تک قائم رہتے ہیں۔“

راشد نے یہ بات غور سے سنی، اور پوچھا، ”کیا خیال ہے، یہ ڈانٹ ڈپٹ اور پٹائی سے زیادہ تکلیف دہ ہے؟“

وسیم نے جواب دیا، ”انمول نظرِ ثانی بہت تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ میرے بُرے رویئے کے باعث جو کچھ میرے ساتھ ہوتا ہے، وہ انتہائی بُرا ہوتا ہے، اور مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے، اس کے اثرات مجھ پر پٹائی سے زیادہ ہوتے ہیں تاہم میں سوچتا ہوں آخر میں آپ یہ بھی کہتے ہیں....... میں بذاتِ خود بہت اچھا ہوں۔“

راشد کو اپنے سوال کا جواب مل چکا تھا۔ لیکن انہوں نے ازراہِ تفنن کہا، ”تو پھر واپس پتھر کے زمانے میں چلیں؟“ دونوں کھِل کھِلا کر ہنس دیئے۔

"ناراضی کے پس منظر میں توحیدمحبت قائم رکھنالازم ہے!"

بچوں کا رویہ اور طرزِ عمل پہلے سے کہیں بہتر ہو چکا تھا۔ راشد نے دیکھا اور محسوس بھی کیا کہ بچوں کے ساتھ ان کے تعلقات میں بہتری آ رہی ہے۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ انہیں اپنے بُرے رویوں پر شرمساری ہے لیکن اب وہ اپنی شخصیت اور ذات کو بُرا نہیں سمجھتے۔ راشد کو سب سے زیادہ خوشی اس بات پر ہوئی کہ بچوں سے اُن کی قربت بڑھ رہی ہے۔ بچوں نے تین سبق سیکھے: اول، اُن کا رویہ خراب ہوسکتا ہے، دوئم، ان کی شخصیت بُری نہیں ہے اور سوئم والدان سے محبت کرتے ہیں۔

بلاشبہ، راشد کو بچوں سے ہمیشہ سے ہی پیار تھا لیکن جیسے ہی انہوں نے انمول نظر ثانی کی اپیل کرنا شروع کی، انہیں اپنی گھریلو زندگی زیادہ خوشگوار محسوس ہونے لگی، وہ اس تبدیلی سے آگاہ تھے۔ وہ محبت کرنے اور محبت محسوس کرنے میں فرق کرنے لگے تھے۔

اب بچے بھی اپنے باپ کا پیار اور چاہت محسوس کرنے لگے تھے، کیونکہ راشد نے اپنے خیالات اور جذبات کا کھل کر اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ توقع کے عین مطابق، ابتدا میں انہیں ناراضی کے پس منظر میں توحید محبت قائم رکھنا مشکل محسوس ہوتا تھا۔ ناراضی کا اظہار کرنے کے فوری بعد محبت کا اظہار کرنا تو اور بھی مشکل لگتا تھا لیکن توحید محبت کے نظریئے پر ایمان لانے کے بعد یہ بہت آسان ہوگیا۔

”ناراضی کے فوراً بعد محبت کا اظہار مشکل ہوتا ہے!“

”جب وہ غصے میں ہوتے، تو پھر وہ کبھی کبھی بچوں کو یہ یاد دلانا بھول جاتے کہ ان کی شخصیت بہت اچھی ہے اور انہیں اپنے بچوں سے بے پناہ محبت ہے“، تاہم بار بار دُہرانے کے باعث ان کے لئے یہ آسان ہو گیا۔ وہ اب زیادہ مہارت کے ساتھ دونوں کیفیات پے در پے ظاہر کرنے لگے تھے، ”وہ بچوں کے بُرے رویوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے اور ساتھ ساتھ انہیں بتانے لگے کہ قطع نظر اس کوتاہی کے وہ ان سے بے پناہ پیار اور محبت کرتے ہیں۔“

جب راشد میں اعتماد پیدا ہو گیا، ”تو پھر انہوں نے بچوں کو تحریک دینا شروع کی کہ وہ بھی اپنی سوچ اور احساس کا ایمان دارانہ اظہار کر سکتے ہیں۔“ پھر ایک ایک کر کے تمام بچے اپنے والد سے ملے اور بتایا کہ اب ان کی حقیقی سوچ اور احساس کیا ہے؟ ”بلاشبہ ان میں غصہ اور مایوسی ابھی تک موجود تھی، اور انہوں نے اپنی اس کیفیت کا برملا اظہار بھی کر دیا۔ بچوں نے والد کو بتا دیا کہ انہیں بھی اپنے والد سے بہت زیادہ محبت ہے۔ سب بچے بہت ہی خلوص اور پیار کے ساتھ اپنے باپ سے گلے ملے۔ بچے اپنی محبت کا اظہار اس شدت سے کرنے لگے کہ راشد گھبرا جاتے، بہر حال، انہیں اپنے بچوں کی طرف سے محبت اور چاہت کی بہت قدر تھی۔“

اور پھر آخر میں ان کا ناراض بڑا بیٹا بلال آ گیا۔ اس کی حالت ان سب سے زیادہ بُری تھی، اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ وہ ایک طرح سے مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔ ”بلال نے اپنے والد اور دیگر بہن بھائیوں کے درمیان تعلقات میں بہتری بھی دیکھی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس نئے رواج کا حصہ بننا چاہتا تھا۔“

”بعض موضوعات پر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی!“

پھر اس نے موقع سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا، اس نے اپنے والد کو سچ سچ سب کچھ بتا دیا، ”میں نے نشے کی خاطر بہت بُرا کام کیا ہے، مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کہوں؟ میں آپ کی مدد کا طلب گار ہوں۔ آپ کو ہمیشہ سے ”شک“ تھا کہ میں چرس پیتا ہوں، لیکن اس موضوع پر بات کرنے کے لئے آپ میں ہمت نہ تھی۔“

راشد نے اپنی کمزوری کو تسلیم کیا اور کہا، ”کسی نہ کسی وجہ سے میں آپ کو نہیں بتا پا رہا تھا۔ اب آپ نے بات کی ہے تو میں اس حساس موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی مدد ہے۔ مجھے اچھی طرح پتا ہے کہ میرے بیٹے کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ اور وہ کس قسم کی مدد کا خواہشمند ہے؟“

راشد نے سوچا، ”بلال کے ساتھ انمول نظر ثانی کی اپیل تو بہت پہلے ہو جانی چاہیے تھی۔“

”بچہ بھی اچھی اور بُری چیز میں فرق کر سکتا ہے!“

راشد نے براہِ راست اپنے بیٹے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، ”یہ واضح ہے کہ آپ نے الفتح سپر اسٹورز کو مالی نقصان پہنچایا ہے، اور آپ اس بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ نشہ کس قدر مجبور کر دیتا ہے۔ آپ کا یہ رویہ نا قابل قبول ہے، میں بے زار ہوں، میں بہت شرمندگی محسوس کر رہا ہوں اور مجھے آپ پر بہت رنج ہے!“

”راشد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، ان کے لب و لہجے سے بھی ناراضی ٹپک رہی تھی تاہم انہیں یاد تھا کہ انہیں اپنا غصہ مختصر رکھنا ہے“، انہوں نے بلال کی آنکھوں میں گھورا اور ہر لفظ الگ کر کے بولے، ”مجھے آپ پر سخت غصہ ہے! اور پھر وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے۔“

”باپ اور بیٹے کے درمیان بات چیت میں اس جان لیوا وقفے کے دوران، بیٹے نے دل کی گہرائی سے محسوس کیا کہ اس کا والد غصے میں ہے اور اس سے ناراض ہے۔ اب یہ صورت حال بیٹے کے لئے بہت پریشانی کا سبب بن رہی تھی۔“

اس لمحے بلال کو اپنا باپ بُرا لگ رہا تھا، جواباً اس نے غصہ دکھانے کا سوچ لیا۔ وہ الفتح سپر اسٹورز میں چوری کیلئے بہانے تلاش کرنے لگا۔ اُس کی نظر میں سپر اسٹور والوں نے لوٹ مچا رکھی تھی اور چھوٹی موٹی چیزیں اڑا لینے سے اُن کی جان نہیں نکل جانی تھی۔ وہ ابھی اپنے باپ کو جواب دینے ہی لگا تھا کہ اس وقت راشد نے گہرا سانس لیا اور آہستگی کے ساتھ اپنا ہاتھ بیٹے کے کاندھے پر رکھ دیا۔

”لفظ شکریئے میں بہت خوشیاں چھپی ہیں!“

راشد نے آہستہ آواز میں کہا، ”میرے بیٹے ! آپ اچھی اور بُری چیز میں فرق کر سکتے ہیں۔آپ بہت ذہین ہیں، پر آپ نے چوری کی، یہ نا قابل برداشت ہے۔اُمید ہے آپ معافی مانگیں گے، تلافی کریں گے اور کچھ اضافی بھی دیں گے۔ہوسکتا ہے وہ پولیس میں پرچہ کروا دیں، اس لئے کوئی وقت ضائع نہ کریں۔آپ ایک اچھے بچے ہیں، اپنے رویئے پر نظر ثانی کریں۔یہ حقیقت آپ کو بھی پتا ہے اور مجھے بھی، آپ کی سچائی نے میرے دل میں آپ کی عزت بڑھادی ہے!“

راشد ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئے، پھر کہنے لگے، ”آپ میرا قیمتی اثاثہ ہیں اور مجھے آپ سے پیار ہے!“ پھر انہوں نے بلال کو گلے لگا لیا۔بلال کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ پھر اچانک وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

بلال نے والد سے پیشگی پاکٹ منی لے کر نقصان پورا کیا، معافی مانگی اور الفتح کے مالک کو گلدستہ پیش کیا۔واپسی پر اپنے والد سے یہی کہہ سکا، ”شکریہ ابو جی!“

اس ”شکریئے“ میں باپ کے لئے سب خوشیاں پوشیدہ تھیں۔نشے کا گھمبیر معاملہ سامنے آنے کے بعد راشد بہت فکر مند ہو گئے۔جلد ہی خیال آیا کہ انہیں بلال کے بارے میں مجھ سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔انہوں نے مجھ سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔راشد نے اس بارے میں اپنے ماتحت مینجر سلیم، ایک دوست خالد اور چھوٹی بہن فرخندہ سے مشورہ کیا، کسی نے اُن کی حوصلہ افزائی نہ کی۔پھر یہ بات ان کے ذہن سے اُتر گئی۔

”اوبامہ کا فون نہ آتا تو حالات اچھے جا رہے تھے!“

اگلے چند ماہ میں انہیں اچھے نتائج حاصل ہونے لگے۔ بلال، جس پر انہوں نے ماضی میں ڈانٹ ڈپٹ کا استعمال سب سے زیادہ کیا تھا، وہ بھی بہتر رویئے کا مظاہرہ کر رہا تھا، تاہم راشد کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ آیا چرس کا استعمال جاری ہے یا نہیں؟

تمام بچے، عمومی طور پر، اپنی شخصیت اور ذات کے متعلق بہت بہتر محسوس کرنے لگے تھے۔ گھر کا ماحول بدل چکا تھا۔ سب اہل خانہ خوشی محسوس کر رہے تھے، راشد نے سوچا،” کاش! بیوی کی زندگی میں انہیں یہ انمول طریقہ معلوم ہوتا، تو وہ کہیں زیادہ لطف اندوز ہوتے۔“

اگر امریکہ سے ”صدر اوبامہ کا فون“ نہ آتا تو حالات بہت اچھے جا رہے تھے!

”یہ چرس کیا بلا ہے؟“

اچانک رات 2 بجے راشد کو اپنے بیڈ روم کے دروازے پر زور سے تھپتھپانے کی آواز سنائی دی۔ راشد گھبرا کر اُٹھے، دروازہ کھولا تو سامنے بلال نیکر پہنے کھڑا تھا۔ چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ راشد ہکا بکا رہ گئے، بلال کی آواز کچھ بدلی بدلی لگ رہی تھی، ”وہ مجھے براک اوبامہ کا فون آیا تھا، کہہ رہا تھا فوراً فوراً واشنگٹن پہنچو۔“

راشد نے کہا، ”کیا اول فول بک رہے ہو، اپنے ہوش میں تو ہو؟“

”میرا ویزہ لگ گیا ہے صبح اسلام آباد جانا ہے۔“

”تمہیں کیوں فون کرے گا وہ؟ جاؤ جا کر سو جاؤ۔“

بلال وہیں بت بنا کھڑا رہا۔ راشد نے اس کا بازو پکڑا اور وہ ایک کٹھ پتلی کی طرح ساتھ چل پڑا۔ بلال کے کمرے میں داخل ہوتے ہی چرس کی شدید بدبو آئی۔ راشد کا دل پھٹنے لگا۔ وہ کمرے میں واپس آئے لیکن سو نہ سکے، بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ صبح 6 بجے انہوں نے مجھے فون کیا اور ساری کہانی سنا دی۔

میں نے کہا، ”یہ چرس کا کیا دھرا ہے۔ اسے چرس کا پاگل پن کہتے ہیں۔“

راشد پریشان تھے، کہنے لگے، ”ڈاکٹر صاحب! چرس تو سب پیتے ہیں، چرس سے اتنا کچھ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”آج کی چرس پہلے سے 100 گنا طاقتور ہے اور یہ دماغی توازن کو خراب کر سکتی ہے، اور سب چرس نہیں پیتے، یہ محض پراپیگنڈہ ہے۔“

”اب کیا ہوگا؟“ راشد میں صبر نہ تھا۔

”معاملے کو سنجیدگی سے لینا ہوگا، آپ اسے لے کر 11 بجے میرے پاس آجائیں۔“

”ڈاکٹر کو مریض کے ساتھ اظہار افسوس کرنا چاہیے!“

”ڈاکٹر صاحب! وہ تو آپ کا نام بھی سننا نہیں چاہتا، میں پہلے بھی اس سے کئی دفعہ بات کر چکا ہوں، بہر حال میں کوشش کرتا ہوں۔“

میرے ساتھ طے شدہ ملاقات پر بلال نہ پہنچ سکا، البتہ راشد صاحب آئے، وہ نالاں اور مایوس تھے۔ بلال میرے ساتھ ملاقات کا ذکر سنتے ہی پاؤں پٹختا گھر سے نکل گیا تھا۔ بلال کے والد نے مجھے جو کہانی سنائی وہ میں ہزاروں مرتبہ سُن چکا تھا، پھر بھی انہماک سے سنتا رہا۔

راشد کہنے لگے، ”بلال کا بچپن عام بچوں کی طرح تھا، پندرہ سال کی عمر تک وہ ایک پیارا، ذہین اور ”پیا“ بچہ تھا۔ ماں کے مرنے کے بعد اس نے خراب دوست بنا لئے، اس میں بے چینی، ناراضی، بدتمیزی کی علامتیں نمایاں ہو گئیں پچھلے ایک سال سے وہ بہت شکی، وہمی اور جھگڑالو ہو گیا ہے۔“

میں نے پوچھا، ”سب سے پہلے تو میں آپ کے ساتھ اظہارِ افسوس کرنا چاہوں گا کہ آپ کو اس بیماری کا سامنا ہے، تاہم اس کا زبردست علاج ممکن ہے۔ اب یہ بتائیے جب وہ گھر سے چلا گیا تو آپ نے کیا کِیا؟“

راشد نے کہا، ”میں نے گھر کی تلاشی لی۔ اس کے کمرے اور گیراج سے کاغذ کی بتیاں اور چرس کے پائپ برآمد ہوئے۔ تھوڑی دیر میں وہ واپس آ گیا“، اس نے کہا، ”جب چاہوں چرس پیئوں گا، اس میں حرج ہی کیا ہے؟ سب چل کرتے ہیں۔“ میں اس پر برس پڑا، میں نے اصرار کیا، بلال کا ایک ہی جواب تھا، ”نہیں! میں کیوں جاؤں؟ مجھے کوئی مسئلہ نہیں، آپ کا دماغ خراب ہے، آپ جائیں۔“

”چرس کے پیچھے چلتے چلتے تعلیم پیچھے رہ جاتی ہے!“

میں نے کہا،”نوجوان چرس کے حق میں جو دلائل دیتے ہیں وہ زیادہ تر ”پرواز“ کے گرد گھومتے ہیں، یہ سُرور کی ایک ہلکی کیفیت ہے جو اچھا محسوس کرنے، خوش گفتاری اور چہل پہل سے ظاہر ہوتی ہے۔ ابتدائی استعمال سے رنگ، آواز اور ذائقے کی حِس بہتر ہو جاتی ہے۔“

”کسی زمانے میں چرسی کا لفظ گالی کی طرح لگتا تھا، اب تو یہ فیشن کی علامت بن گیا ہے، “راشد نے لقمہ دیا،”60ء کی دہائی میں اِکّا دُکّا اشخاص ہی چرس کے استعمال کا اعتراف کرتے تھے۔2000ء کے بعد مَیں نے نوجوانوں کو چرس کا برملا اقرار کرتے سُنا، آج ہمارے اردگرد بہت ”معقول“ لوگ چرس کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں، حتیٰ کہ یورپ اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں بھی اس کا استعمال عام ہے، کینیڈا میں تو چرس لیگل ہے؟“

میں نے کہا،”یورپ اور امریکہ کی ترقی کے پیچھے چرس اور شراب پینے والوں کا کوئی ہاتھ نہیں۔ لیگل ہونا بھی کوئی جواز نہیں، پاکستان میں مٹھائی لیگل ہے، کیا آپ شوگر کے مریضوں کو مٹھائی تجویز کریں گے؟ پاکستان میں کروڑوں لوگ چرس پیتے ہیں ان میں سے لاکھوں نشئی بن جاتے ہیں کیونکہ انہیں چرس موافق نہیں رہتی، چرس کوئی ناموں سے پکارا جاتا ہے سُوٹا، جوڑا، جلیبی ،شمامہ، لال پنا، برما اور فقیری دھواں وغیرہ۔ کبھی چرس کو پاؤڈر کی شکل میں کھانے پر چھڑکا جاتا ہے ۔ چرس نوجوانوں کی زندگی میں آنے والے نشے کے عذابوں کا نقطہ آغاز ہے۔“

میں نے اپنی بات جاری رکھی،”چرس پینے والوں میں سے کچھ کی کارکردگی گرنے لگتی ہے اور وہ چرس کے پیچھے چلتے چلتے پڑھائی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔“

راشد نے پریشانی میں کہا،”اب میں کیا کروں؟ بلال کس اسٹیج پر ہے؟“

”جب قوت ارادی کام نہ کرئے تو مدد حاصل کریں!“

میں نے کہا، ”بلال چرس سے گھائل ہے، آج کی چرس بہت تیز ہے، صرف پینے سے پتا چلتا ہے کہ چرس میں کتنا دم ہے؟ جو چیز زیادہ تر علاج میں لانے کا باعث بنتی ہے وہ چرس سے پیدا ہونے والا پاگل پن ہے۔ یہ پاگل پن چرس کا نشہ ترک کرنے کے چند دن کے اندر کلیئر ہو جاتا ہے۔“

راشد نے اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا، ”میں تو اُسے کئی ماہ سے سمجھا رہا ہوں، صبح شام اُسے ڈراتا ہوں کہ چرس چھوڑ دو، لیکن وہ ایک نہیں سنتا۔“

”میں کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور کہا، ”اُسے کبھی نشہ چھوڑنے کیلئے نہ کہیں، مدد حاصل کرنے کیلئے کہیں۔ پہلے پہل اُس نے نشہ کیا تو یہ اُس کا قصور تھا، اب یہ بیماری ہے، اُس کا قصور یہ ہے کہ وہ علاج کیلئے رجوع نہیں کرتا، اُس کے پاس 100 بہانے ہیں۔“

راشد نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا اور کہا، ”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

میں نے کہا میں سمجھاتا ہوں، ”ننکانہ صاحب کے ایک دوست ہیں جو کبھی شراب کے مریض تھے ایک دفعہ جوش میں آ گئے اور شراب کی بوتلوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ ایک خالی بوتل کو اٹھایا اور کہا، ”تم ہی ہو جس نے مجھے نوکری سے نکلوایا تھا؟ اور بوتل دیوار پر دے ماری۔ پھر دوسری خالی بوتل کو اٹھایا اور بولے، ”تم ہی ہو جس نے میری طلاق کروائی؟ اور بوتل کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ پھر تیسری بوتل اُٹھائی اور کہا، ”تم ہی ہو جس نے میرا ایکسیڈنٹ کرایا؟ دو بندوں کی جان گئی؟ اور اُس کو فرش پر پٹخ دیا۔ پھر ایک بھری ہوئی بوتل اٹھائی اور ٹھٹھک کر بوتل کو آنکھوں کے سامنے کیا اور کہا، ”تم بیٹھی رہو چپ کر کے ٹیبل پر، تمہارا کوئی قصور نہیں۔“

راشد نے زور کا قہقہہ لگایا اور کہا، ”تو پھر میں کیا کروں؟“

”اپنی ساکھ بنائیں، بچے بات مانیں گے!“

میں نے کہا،”اُس کا اصل قصور پہچان لیں، اُسے صرف مدد حاصل کرنے کیلئے کہیں، کسی کو وہ کام نہیں کہنا چاہیے جو وہ کر نہیں سکتا، وہ کام کہنا چاہیے جو وہ کر سکتا ہے، سب سے پہلے آپ کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ خود سے نشہ چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

راشد کہنے لگے،”وہ کہتا ہے اُس نے بہت دفعہ چھوڑا ہے۔“

میں نے کہا،”مطلب یہ کہ وہ بہت دفعہ نشہ چھوڑنے میں ناکام رہا۔“

میں نے راشد کو کچھ مزید ہدایات دیں اور ان کی روشنی میں بلال سے بات کرنے کا کہا۔ شام کو راشد کے ہمراہ بلال بھی مجھ سے ملنے آ گیا۔

”وہ بڑی مشکل سے آنے کیلئے رضامند ہوا“، راشد نے بتایا،”میں نے اُسے بتا دیا کہ میں آج کے بعد تمہارے ساتھ صرف علاج میں تعاون کروں گا، مجھ سے کچھ اور توقع نہ رکھنا، اگر تم راضی نہیں تو اپنا سامان باندھ لو۔“

میں نے کہا،”کیا پھر وہ فوری تیار ہو گیا؟“

راشد نے بتایا،”اتنا آسان نہیں تھا، میں نے سنجیدگی سے اُسے کہا کہ یہ کہنا اچھا نہیں لگ رہا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، اُس وقت تک گھر چھوڑنا ہو گا جب تک مدد قبول نہیں کرتے۔ چرس کی خاطر مجھے چھوڑ گئے تو مجھے بہت دُکھ ہو گا۔ پھر میں خاموش ہو گیا۔“

یہ صورتحال بلال کیلئے غیر متوقع تھی، وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور سامان باندھنے لگا لیکن تھوڑی دیر بعد ڈھیلا پڑ گیا۔ اسے اپنے والد کا اعتبار تھا، جو انہوں نے کہا ہے وہ کریں گے۔ وہ سڑکوں پر مارا مارا نہیں پھر سکتا تھا، وہ مجھ سے ملنے پر رضامند ہو گیا۔

”گفتگو میں جارحیت دیوالیہ ہونے کی نشانی ہے!“

میرے ساتھ ملاقات میں بلال نے یوں ظاہر کیا گویا وہ سب جانتا ہے اور اسے مدد کی ضرورت نہیں، اس کا رویہ جارہانہ تھا۔ خون اور پیشاب کے نمونے دیتے ہوئے اُس نے اسٹاف سے گالی گلوچ کی، پھر مان لیا کہ وہ حشیش کا عادی ہے۔

راشد نے پوچھا، ”یہ حشیش کیا بلا ہے؟“

میں نے کہا، ”یہ چپکنے والے مادے کی شکل میں اصیل قسم کی چرس ہے، اس کا رنگ گہرا براؤن ہوتا ہے۔ حشیش کا تیل بھنگ کے پودے کو گلانے، اُبالنے اور نتھارنے سے حاصل ہوتا ہے۔ حشیش آئل چرس کی انتہائی ظالمانہ شکل ہے۔“

بلال کہنے لگا، ”میں تو چرس صرف بوریت دور کرنے کیلئے پیتا ہوں، میں کوئی ایڈکٹ نہیں ہوں آپ نے تو بزنس بنایا ہوا ہے۔“

میں نے کہا، ”لوگ چرس کا استعمال بوریت دور کرنے کیلئے ہی کرتے ہیں، اور معاشرے میں بوریت اور چرس کی کوئی حد نہیں۔ میں آپ کو ایک واقع سناتا ہوں، ہوسکتا ہے آپ کو معاملہ سمجھ میں آجائے گا۔ کالج کے ایک دوست نے مجھے گھر آنے کی دعوت دی، یہ صاحب این سی اے میں لیکچرار ہیں۔ عرصہ دراز سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ ہم دونوں ہی متمنی تھے۔ میں صبح نو بجے ان کے دروازے پر موجود تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے، وہ ابھی ابھی سو کر اُٹھے تھے۔ وہ اعصابی انتشار کا شکار نظر آئے، گفتگو پر آمادہ نہ تھے۔ ان کی نظر کمرے میں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی جیسے وہ مجھ سے جان چھڑا کر بھاگ جانا چاہتے ہوں۔ کچھ دیر بعد وہ بولے، ”کیا تم میری سٹڈی دیکھنا پسند کرو گے؟“

"نشہ کرنے والے رنگ بدلتے رہتے ہیں!"

وہ مجھے اوپر لے گئے میز کرسی، کمپیوٹر اور پینٹنگ کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ یہاں ایک اور قابلِ غور اضافی چیز بھی موجود تھی، ایک واٹر پائپ جو فریج کے اوپر پڑا تھا۔ جو چرس پینے کے کام آتا ہے۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آ گئی۔

''کیا چرس سے شوق کرنا چاہو گے؟''

''نہیں شکریہ'' میں نے جواب دیا۔

اُن کے چہرے پر چمک سی آ گئی، ''اگر میں کروں تو تمہیں بُرا لگے گا؟''

''یہ گھر آپ کا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ایک حیران کُن نتیجہ آیا، پانچ منٹ میں کایا پلٹ گئی، میں ایک بالکل مختلف انسان سے بات کر رہا تھا۔ وہ گویا کسی جادوئی عمل سے ایک پُرسکون مگر گرم جوش انسان میں بدل گئے تھے۔ بحیثیت مہمان میرا رتبہ ایک دم سے بڑھ گیا تھا۔

''معاف کرنا یار میں آپکو یہاں اوپر گھسیٹ لایا''، انہوں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا، ''گھر میں یہی ایک جگہ ہے جہاں عذرا چشم پوشی کرتی ہے۔ دراصل وہ نہیں چاہتی کہ بچے مجھے چرس پیتے ہوئے دیکھیں۔''

''کیا وہ آپکو روکنا چاہتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں'' اس نے کہا، ''یار! وہ پاگل سی خاتون ہے، وہ سمجھتی ہے کہ میں نشئی ہوں، یقیناً ایسا نہیں ہے، وہ بیوقوف ہے، آپ نشے کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوں گے، یہ آپ کی روزی روٹی ہے لیکن چرس سے ایڈکشن نہیں ہوتی، یہ تو بس موڈ کو بنا کر رکھتی ہے۔''

"ہر مرحلے پر اگلا قدم طے کرنا ضروری ہے!"

بعدازاں انہوں نے مری کے ایک ٹرپ کا حوالہ دیا جب ان کی بیگم نے انہیں چرس پینے سے روکا تھا اور چرس پہاڑی کی ڈھلوان سے پھینک دی تھی۔ اس کے بعد وہ خود تین دن تک بلبلاتی رہی۔ اس دوران نہ تو وہ سو سکے تھے اور نہ ہی انہوں نے بیوی کو سونے دیا تھا۔"

"اتنی مصیبت پڑی، یہی تو بیماری ہے۔" میں نے موقع دیکھ کر بات کی۔

اس نے کہا، "یہ تو معمولی باتیں ہیں"، پھر اس نے اصرار کیا، "مجھ میں ٹھس بھر جاتا ہے بس اس کے بغیر طبیعت کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی، یہ مجھے یا کسی اور کو کچھ نہیں کہتی، میں سیٹ ہوں، کام کرتا ہوں۔ میری پینٹنگز پانچ پانچ لاکھ میں بکتی ہیں، چرس میری زندگی ہے۔"

"اور باقی سب لوگ آپکو زندگی سمجھتے ہیں"، میں نے کہا اور رخصت چاہی۔

اس دوست کے ہاں میرا یہ مختصر قیام نشے کی بیماری پر ایک تازہ کورس کی مانند تھا۔ جب کسی معاشرے میں بہت سے لوگ چرس استعمال کر رہے ہوں، ان میں سے اکثریت نارمل زندگی گزار رہی ہو اور کچھ تھوڑے لوگوں کا دماغ خراب ہو جائے، تو لوگ چرس کو قصوروار نہیں کہیں گے وہ مضر اثرات کا الزام دوسرے لوگوں کو دیں گے۔ میرے دوست نے اپنی کامیابی کا دعویٰ کیا، ذیابیطس اور دل کے مریض بھی بہت دولت کماتے ہیں، کیا وہ بیمار نہیں ہوتے؟ میری باتوں کا لُبِ لباب یہ تھا کہ بلال کو علاج کی ضرورت ہے، خود سے وہ نشہ نہیں چھوڑ سکتا۔ بلال اور راشد اگلا قدم طے کئے بنا رخصت ہو گئے۔

بلال نے راشد کو قائل کر لیا کہ وہ خود سے نشہ چھوڑ کر میری بات کو غلط ثابت کر دے گا۔ دو ہفتے گزر گئے۔ حالات کچھ بہتر ہونے لگے۔ راشد کو میری سب باتیں بھول گئیں۔

''چرس موافق نہ رہے تو بہت فساد ہوتا ہے!''

چند دن مریض کسی مجبوری سے نشہ نہ کرے تو لوگ اسے ''ٹھیک'' ہونا سمجھ لیتے ہیں۔ بیماری کی شدت میں کئی دفعہ کمی واقع ہو جاتی ہے، ان وقفوں میں مریض نشہ کم کرتا ہے اور حالات بہتر نظر آنے لگتے ہیں، کچھ سکون ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ سکوت کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اتوار کی صبح راشد پورے گھر میں گھبرائے گھبرائے پھر رہے تھے! آج لڑکے والوں نے ریشم کی بات پکی کرنے آنا تھا۔ گھر بھر کی صفائی ہو رہی تھی، چیزیں اِدھر سے اُدھر رکھی جا رہی تھیں۔

''بلال کو قابو میں رکھنا۔۔۔لڑکے والوں کے سامنے نہ آنے دینا، اس کا کوئی پتا نہیں کیا بول دے؟'' راشد نے ریشم کو انتباہ کیا۔

''آپ اس کی حالت نہیں دیکھتے، ساری رات الوؤں کی طرح جاگتا ہے، مجھ سے تو دیکھا نہیں جاتا، چھت پر چڑھ کر گندی بو والی سگریٹیں پھونکتا ہے۔ پچھلے دنوں عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔''

راشد ایک لمحے کیلئے رکے، پھر بولنے کیلئے لب کھولے اور چپ ہو گئے، ریشم ٹک ٹک ان کی طرف دیکھتی رہی، آخر بات ٹالنے کیلئے بولے ''اوہ نئیں نئیں! چرس کوئی اتنا ڈاھڈا نشہ نئیں اے۔''

''کل ٹی وی پر ڈاکٹر صداقت بتا رہے تھے چرس سے دماغ ہل جاتا ہے اور مریض پاگلوں جیسی حرکتیں کرتا ہے، یاد نہیں! وہ ایک مریض کا ذکر کر رہے تھے جو اچانک صابن سے لتھڑا ہوا غسل خانہ سے باہر نکل آیا تھا۔''

''آپ بہت وہم کرنے لگی ہو۔''

ریشم نے کہا، ''تین دن بلال میرے ساتھ پنڈی رہا، وہاں میں نے سب دیکھ لیا، ہوا میں باتیں کئے جا رہا تھا، میں کچھ بولنے لگتی تو انگلی ہونٹوں پر رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کرتا، پھر اٹھ کر سارے کمرے میں پھونکیں مارتا اور کہتا امام بری سرکار آئے تھے۔''

”لوگ چرس کو منشیات کی معصوم چھوٹی بہن مانتے ہیں!“

راشد نے کہا،”بلال ٹھیک ہو رہا ہے؟ پرسوں مجھے ملا تو کہنے لگا،”ابو جی! فکر نہ کریں، میں آپ کے سارے خواب سچ کر دکھاؤں گا۔“

تھوڑی دیر بعد ریشم پچھلے کمرے میں گئی اور اسٹور روم کا دروازہ کھولا، ریشم پلٹی تو اسے محسوس ہوا جیسے سٹور میں کوئی ہے، بلال سٹور کی الماری سے کچھ نکال رہا تھا،”وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔ میری سگریٹ کی ڈبیا۔۔۔“ بلال گڑبڑا گیا۔

”بھائی خدا کا خوف کرو اور کچھ اس گھر کی عزت کا بھی خیال کرو، کیوں ہماری عزت کا جنازہ نکالنے پر تلے ہوئے ہو، کبھی سوچا ہے لوگ کیا کہیں گے؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟“ بلال آنکھیں نکال کر بولا،”لوگوں کی کیا مجال ہے؟ ایک پھونک مار کر ہوا میں اڑا دوں گا۔“

تھوڑی دیر بعد راشد بلال سے مخاطب تھے،”لڑکے والوں کا ٹیلی فون آیا ہے، وہ بس پہنچنے ہی والے ہیں، یہ لو پانچ ہزار اور جلدی سے مٹھائی کا بندوبست کرو، اور سنو! دیر نہیں ہونی چاہیے، سمجھ گئے ناں؟“

بلال نے راشد کے ہاتھ سے پانچ ہزار کا نوٹ جھپٹا اور ہوا کے جھونکے کی مانند گھر سے نکل گیا۔ پھر وہی ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا، مہمان آ گئے، قبلہ بلال نہیں آئے۔ ریشم اور اس کی ممانی اور خالہ مہمانوں کی آؤ بھگت کر رہی تھیں، راشد مٹھائی کیلئے پریشان تھے۔ دروازے پر کھٹکا ہوا، بلال مزدور کے سر پر مٹھائی کا ٹوکرا اٹھوائے چلا آ رہا تھا۔ بلال کا حلیہ عجیب ہو رہا تھا، سر پر صافہ، آنکھیں سرخ انگارہ، ہاتھوں میں لرزش اور قدم ڈگمگا رہے تھے۔ بلال لڑکھڑاتا ہوا نزدیک پہنچا تو لڑکے کے والد اٹھ کے بڑے تپاک سے ملے۔

”اُس کی مدد کیسے کریں جو راضی نہ ہو!“

”حق اللہ!“ بلال نے نعرہ بلند کیا اور جھومنے لگا، وہ بالکل مست ہو رہا تھا۔ سارے گھر والے بُری طرح گھبرا گئے، راشد نے جلدی سے اُٹھ کر بلال کو بازو سے پکڑا اور کھینچتے ہوئے بولے، ”بلال! چلو تم اندر جاؤ۔“

لیکن بلال نے زمین پر مکے مارتے ہوئے تقریر شروع کر دی، ”میں نہیں جاؤں گا اندر، میں کیوں جاؤں؟ میری بہن کا رشتہ ہو رہا ہے، لڑکے کو میں نہیں چیک کروں گا تو کون کرے گا؟“

راشد پہلے تو اسے روکنے کی کوشش کرتے رہے پھر گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے۔ راشد کو فکر تھی، آج اس کا بھانڈا سب کے سامنے پھوٹ گیا، لڑکے والے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے باہر نکل گئے، اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ پھر کیا ہوا؟

چرس کی کہانی ان گنت گھرانوں کی کہانی ہے دراصل یہ چرس کے ساتھ غفلت برتنے کی کہانی ہے۔ اکثر اہل خانہ اس بات کا فیصلہ کرنے میں مہینوں لگا دیتے ہیں۔ راشد اس اُمید پر بلال کی عِلت چھپاتے رہے کہ سب کچھ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا، جیسے کسی بھیانک خواب سے آنکھ کھلتی ہے اور اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ حقیقت نہ تھی۔

بدھ کی صبح میری آنکھ بھی نہ کھلی تھی کہ راشد کا فون آ گیا، وہ فوری ملاقات کے خواہاں تھے۔

راشد بے انتہا پریشان اور نادم تھے کہ اُنہوں نے میری ہدایات پر عمل نہ کیا تھا۔

”مریض راضی نہ ہو تو علاج فیملی کی ذمہ داری ہے !“

راشد نے کہا،”بلال کو داخل کر کے علاج کی ضرورت ہے، اب کیا کیا جائے؟“

میں نے کہا،”ایسے حالات میں ایک ڈاکٹر کی زیرِ نگرانی ہماری کرائسز انٹروینشن ٹیم مریض کو گھر سے لے آئے گی، اس کیلئے مریض کو انجیکشن دینا پڑے گا جس سے غصہ کم اور رویہ لچکدار ہو جائے گا۔ اور وہ خود چل کر ٹیم کے ساتھ ایمبولینس میں بیٹھے گا۔“

راشد کے لئے یہ کافی مشکل مرحلہ تھا۔ تاہم میں نے پوری تفصیل بتائی تو انہوں نے حوصلہ بڑا کر کے مجھے یہ قدم اُٹھانے کی اجازت دی۔

بلال کی ذہنی صحت چند دن میں بحال ہو گئی اس دوران راشد اور بچے باقاعدگی سے ولنگ ویز کے فیملی کونسلنگ پروگرام میں حصہ لیتے رہے تاکہ نشے کی بیماری سے بحالی میں فیملی کا کردار سمجھ سکیں۔

علاج کے چند بنیادی نکتے سمجھنے کے بعد بلال علاج میں پوری طرح دلچسپی لینے لگا۔

بلال یہ سمجھ گیا کہ چرس ہر ایک کو موافق نہیں ہوتی، چرس پینے والوں میں سے 15% پر اس کا زہریلا ردِعمل ہوتا ہے جو پاگل پن کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔ بلال نے یہ بھی جان لیا کہ کونسلنگ کو جاری رکھنا خود اس کی ضرورت ہے اور جب مریض نشہ چھوڑ دیتا ہے تب علاج ختم نہیں ہوتا بلکہ شروع ہوتا ہے۔

گھر کا ماحول بہت بہتر ہو گیا، سب ایک نئی لگن کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ اور پھر اچانک الفتح سپر اسٹور والا واقع پیش آ گیا۔

☆☆☆

"غیر مشروط پیار اور احترام بچوں کی ضرورت ہے!"

راشد اپنے بچوں کے ساتھ "الفتح اسٹور" گئے، چھوٹی بیٹی فاطمہ ٹرالی میں بیٹھی تھی، وہ اچانک اُتری، اس نے منہ بسور کر رونا شروع کر دیا اور اپنے باپ سے کہنے لگی کہ اس کی پسندیدہ چیزیں ٹرالی میں ڈالی جائیں، جب اُس کی بات نہ مانی گئی تو اس نے ہاتھ مار مار کر اپنے اردگرد چیزوں کو گرانا شروع کر دیا اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

راشد نے بچوں کو کئی بار بتایا تھا کہ وہ اُن کے رونے کی آواز ہرگز نہیں سننا چاہتے، ایسے لگا جیسے کہہ رہے ہوں، "فتو! آپ نے یہاں آتے ہی سب کام خراب کر دیا ہے۔"

ننھی فاطمہ مسکرائی، اس کے چہرے پر طنزیہ ہنسی نمودار ہوگئی جیسے کہہ رہی ہو، "ابو جی مجھے ڈانٹیں.......!"

اب راشد سوچ رہے تھے، "یہ تو عجیب بات ہے، اسے تو ڈانٹ ڈپٹ سے بچنا چاہیے اور یہ الٹا چاہ رہی ہے کہ اسے ڈانٹا جائے! یہ کیا ماجرا ہے؟"

پھر پریشان حال راشد اپنی بیٹی کو ایک الگ تھلگ جگہ لے گئے اور وہاں خراب رویئے پر نظر ثانی کیلئے کہا۔ انہیں محسوس ہوا کہ بچی پرسکون ہوگئی ہے، پھر وہ اپنے باپ کے گلے لگ گئی۔ اب راشد بہت ہی پریشان تھے اور سوچ رہے تھے، "آخر گڑبڑ کہاں ہے؟"

"کیا آپ نے آج اپنے بچے کو گلے لگایا ہے؟"

جب راشد واپس گھر کے لئے روانہ ہوئے تو اُن کی کار سودا سلف کے تھیلوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھی، تاہم فاطمہ مسلسل اُن کی توجہ چاہ رہی تھی۔

راشد گہری سوچ میں گم تھے، "بچوں کی اصلاح کے لئے سرزنش سے بھی ایک اچھا کوئی طریقہ ہونا چاہیے، کبھی گلہ شکوہ کرنے کی ضرورت اور کبھی تنبیہہ کا موقع ہوتا ہے، بچوں کو گلے لگانے اور پیار کرنے کا کوئی اور سبب بھی ہونا چاہیے۔ یہ طریقہ تو مجھے بیزار کر دے گا۔"

راشد سوچ رہے تھے، انمول نظرِ ثانی اطمینان بخش طریقہ ہے، لیکن انہیں کسی اور طریقے کی ضرورت ہے، سرزنش کی بجائے پیار سے بچوں کے ساتھ معاملات طے کئے جاسکیں تاکہ میرے بچے تمیزدار اور شائستہ ہو جائیں۔ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہو؟

راشد گاڑی چلاتے رہے اور سوچتے رہے، اچانک ان کی نظر اگلی گاڑی کے بمپر پر پڑی جس پر لکھا ہوا تھا، "کیا آپ نے آج اپنے بچے کو گلے لگایا ہے؟" راشد حیران تھے، ہاں! آج ہی فاطمہ کو ڈانٹنے ڈپٹنے کے بعد ضرور گلے لگایا ہے، "لیکن انہیں کیسے پتا چلا؟"

پھر راشد کو پتا چل گیا کہ بچے انہیں کیا بتانے کی کوشش کر رہے تھے؟ فاطمہ سپر مارکیٹ میں بُرے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیوں کر رہی تھی؟ اس لئے کہ اس طرح بچوں کو توجہ ملتی ہے اور آخر میں ایک مزید ارجھپی بھی، اور بچے اُن کی زبان سے پیار کی بات بھی سنتے ہیں اور اچھا محسوس کرتے ہیں۔

اس لمحے، راشد نے سوچا کہ جب جب بچوں نے اچھا رویہ اپنایا تو انہوں نے کسی ردِعمل کا اظہار کیا؟ قطعی نہیں!

”اچھی کارکردگی پر پُر اسرار خاموشی حوصلہ پست کرتی ہے!“

کار میں بیٹھے ہوئے ایک بچہ اُچھلنے کودنے لگا اور راشد اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے بچوں کی طرف دیکھا اور ہنسنے لگے۔ بڑی بیٹی ریشم نے کہا، ”ابا جان، اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ راشد نے کہا، ”مجھے ابھی ابھی اپنا ایک لطیفہ یاد آیا ہے“، انہوں نے وعدہ کیا، ”میں یہ لطیفہ پھر کسی وقت سناؤں گا۔“ راشد پھر اپنی سوچوں میں گم ہو گئے، ”جب میرے بچے اچھا کام کریں تو پھر مجھے کچھ نہیں کہنا چاہیے، اچھا کام تو انہیں کرنا ہی چاہیے۔ میں بھی جب اچھا کام کرتا تھا تو میرے والدین بھی خاموش رہتے تھے۔“

اچانک راشد کو میرے الفاظ یاد آئے، ”میں آپ سے اتنا ہی دور ہوں جتنا کہ سیل فون۔“

اگلے دن راشد میرے سیشن میں تھے، اُن کا پہلا سوال یہ تھا، ”جب بچے کوئی اچھا کام کریں، تو خاموشی کافی ہے؟“

میں نے کہا، ”ہرگز نہیں! اس طرح تو بچے محض اس لئے غلطیاں کوتاہیاں کرنے لگیں گے کہ سرزنش کے بعد انہیں تعریف اور ایک شاندار جپھی ملتی ہے، جبکہ اچھا کام کرنے پر ایک پُراسرار خاموشی!“

پھر میں نے راشد کو دو انمول طریقے بتائے جو گھر میں خوشیاں بکھیر دیتے ہیں۔

راشد نے ان طریقوں کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا۔

”برائی پر گھنٹیاں بجیں، تو اچھائی پر گھڑیال بجنا چاہیے!“

اتوار کا دن تھا ان کے پاس کافی وقت تھا۔ تمام بچے گھر پر تھے۔ ریشم اور آمنہ دالان میں کھیل رہی تھیں۔ پھر انہیں دوسرا انمول طریقہ آزمانے کا خیال آیا۔ انہوں نے دونوں بیٹیوں کو کہا، ”نوجوان خواتین! میرے پاس آؤ!“

دونوں بیٹیاں چونک گئیں اور ایک دوسرے کی طرف ایسے دیکھا کہ جیسے پوچھ رہی ہوں، ”ہم نے کیا غلط کیا ہے؟ ہمیں کیوں بلایا جا رہا ہے؟“ وہ دونوں ہچکچاتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئیں۔ گزشتہ چند دنوں سے بچے باپ کے نزدیک ہو گئے اور زیادہ پیار کرنے لگے تھے، تاہم وہ اپنے باپ سے خوف زدہ بھی تھے۔

راشد نے کہا، ”آپ ابھی جو کام کر رہی ہیں، میں نے دیکھ لیا ہے“، انہوں نے اپنی بیٹیوں کی طرف دیکھا، انہیں چھوا اور کہنے لگے، ”آپ ایک دوسرے کی چیزوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔“ دونوں بچیاں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں۔

راشد بھی مسکرائے اور کہنے لگے، ”میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میں کس قدر خوش ہوں کہ میری بچیاں کشادہ دلی کا مظاہرہ کر رہی ہیں، آپ دونوں کو شاباش!“

راشد نے دونوں بیٹیوں کو آغوش میں لیا اور کہا، ”مجھے آپ پر ناز ہے!“

دونوں دیکھتی رہ گئیں۔ والد نے مزید کچھ نہیں کہا، وہ مڑیں اور چلنے لگیں، انہیں اس کاروائی کا مطلب سمجھ نہیں آیا، تاہم انہیں یہ سب بہت بھلا لگ رہا تھا۔

”بچوں کو اچھا کام کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑیں!“

بچوں کو ابھی بھی حالات کا کچھ اندازہ نہیں تھا۔

دو دن پہلے راشد نے گاڑی چلاتے ہوئے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا، وہ بچوں کو اچھا کام کرتے ہوئے ”رنگے ہاتھوں“ پکڑیں گے اور اُن کو انمول شاباش دیں گے۔

وہ خوش تھے کہ انہوں نے اپنے فیصلے پر فوری عمل کر لیا، وہ سوچنے لگے، ”اگر بچیاں خوش ہوئی ہیں تو مجھے اپنے بڑے بیٹے کا ردِ عمل جاننے کیلئے کسی لمبے انتظار کی ضرورت نہیں۔ راشد جانتے تھے کہ بلال اب نشہ تو نہیں کرتا مگر اس کے کچھ رویئے پسندیدہ نہیں ہیں، انہیں یہ بھی علم تھا کہ اس میں کچھ کوتاہی خود ان کی طرف سے ہوئی، کیونکہ اُنہوں نے بڑے بیٹے کو نظر انداز کئے رکھا جس سے تال میل نہ بن سکا۔ راشد اپنی کوتاہیوں کے باعث بچوں سے ہر روز معافی کے طلب گار نہیں رہنا چاہتے تھے، راشد نے بلال کے خراب رویوں پر بارہا گلہ، شکوہ، ڈانٹ ڈپٹ، سرزنش اور تنبیہہ بھی کی تھی۔ اس لئے وہ اپنے بیٹے کے موجودہ طرزِ عمل کی پوری ذمہ داری قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔

راشد کو یقین تھا کہ ان کا بیٹا بہت اہلیت رکھتا ہے، وہ باقاعدگی سے فالو اپ کیلئے ولنگ ویز جا رہا تھا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ بیٹے کی جانب سے کسی زبردست کارنامے کا انتظار کریں گے تو انہیں بہت زیادہ دیر تک انتظار کرنا ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے یہ دیکھنے کا فیصلہ کیا کہ بلال کب کوئی ایسا کام کرتا ہے جو کسی حد تک درست اور اچھا ہو۔

”سچ کی طاقت دیکھنا چاہتے ہیں؟سچ بول کر دیکھ لیں!“

اب وہ بلال کی طرف سے ایسا کوئی موقع فراہم کئے جانے کے منتظر نہ تھے۔وہ ہر وقت منصوبہ بندی کرتے تھے کہ اپنے بچوں کی فلاح و بہبود کیلئے کوئی تدبیر کریں۔اپنے بچوں کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ اُن کے خمیر میں خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں اور وہ ہر وقت انہیں کوئی اچھا کام کرتے ہوئے ”رنگے ہاتھوں“ پکڑنا چاہتے ہیں۔

راشد کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا، جلد ہی اُن کا بڑا بیٹا بلال خراماں خراماں کمرے میں آ گیا۔ ابھی تک اُن کے درمیان بہت کم بات ہوتی تھی، بلال نے کہا، ”ولنگ ویز کیلئے میں آپ کی کار لے جاؤں؟“

”ابو جی!“ اور ”پلیز“ وغیرہ جیسے الفاظ بلال کی ڈکشنری میں ابھی شامل نہیں تھے۔

راشد کو معلوم تھا کہ جو کچھ وہ کرنے والے ہیں، بلال کو عجیب لگے گا لیکن آئندہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ دل کی بات ہی کریں گے۔وہ سچ کی طاقت دیکھنا چاہتے تھے۔پھر انہوں نے بیٹے کے کاندھے کو چھوا اور کہا، ”کار کے لئے مجھ سے اجازت لینے کا شکریہ۔آپ کا رویہ قابل تحسین ہے۔آپ کے بغیر پوچھے کار لے جانے سے کوفت ہوتی تھی، آپ نے اجازت طلب کی، بہت اچھا لگا، آپ میرا قیمتی اثاثہ ہیں!“

پہلے پہل تو بلال کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے، پھر ہچکچاتے ہوئے بولا، ”شکریہ!“

راشد مسکرائے! اس کا دایاں بازو محبت کے ساتھ سہلایا اور کہا، ”مجھے آپ سے پیار ہے!“

راشد نے آگے بڑھ کر بلال کو گلے لگالیا۔

”بُرا رویہ نظر انداز کریں اور نہ اچھا کچھ بولیں!“

پھر راشد اپنی کرسی کی جانب چلے گئے۔ اپنے بچے کے ساتھ بات کرنے میں ان کا ایک منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوا تھا۔ بلال نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے مڑ کر کاندھے پر سے باپ کی جانب دیکھا، وہ حیرت زدہ نظر آ رہا تھا۔

دوسرے دن بھی راشد غیر اعلانیہ اپنے بچوں کے اچھے رویوں کی تعریف وستائش کرتے رہے۔

سب حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

رات کے کھانے کے بعد راشد نے اپنے سب بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا،

”میرا خیال ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے آپ سب اس پر حیران ہیں؟“

چھوٹے بیٹے وسیم نے کہا، ”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

باپ نے کہا، ”میں آپ کو بتاتا ہوں۔“

راشد اپنی بڑی بیٹی ریشم کی طرف مڑے اور کہنے لگے، ”بیٹا یاد کرو، کار میں بیٹھے ہوئے آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں اور میں نے کہا تھا کہ یہ ایک لطیفہ ہے جو میری ذات کے متعلق ہے؟“

ریشم بہت خوش ہوئی اور کہا، ”بالکل درست اور آپ نے بتانے کا وعدہ بھی کیا تھا!“

راشد کہنے لگے، ”بہت خوب! جب میں کار چلا رہا تھا تو میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ جب آپ بُرا رویہ اپناتے ہیں تو پھر میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، لیکن جب آپ کا رویہ اور طرزِ عمل اچھا ہوتا ہے تو میں اسے نظر انداز کر دیتا ہوں۔“

پھر راشد مسکرائے اور کہنے لگے، ''اور جب میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ میں سے ایک بچے نے اپنے رویئے سے مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا۔''

بچے کھسیانی ہنسی ہنسنے لگے، وسیم نے کھل کر قہقہہ لگایا۔

راشد کہنے لگے، ''بہت خوب، اس بات نے مجھے بھی ہنسا دیا کیونکہ جو صورت حال ہمارے گھرانے میں چل رہی ہے یہ واقعہ اُن کی ایک بہت ہی اچھی مثال ہے۔ جب میں آپ میں سے کسی پر توجہ نہیں دے رہا تھا تو آمنہ نے کیا کیا؟''

آمنہ نے اعتراف کیا، ''میں نے وسیم سے کچ کچ شروع کر دی۔''

راشد کہنے لگے، ''آپ اچھا رویہ اپنائیں اور میں آپ کو توجہ دوں تو کیسا لگے گا؟''

آمنہ نے کہا، ''یقینی طور پر، یہ تو مزہ آجائے گا۔''

چھوٹے بیٹے وسیم نے آہستہ آواز میں کہا، ''وقت وقت کی بات ہے!'' سب نے سُن لیا۔

راشد نے وسیم کی جانب ناراضی سے دیکھا، وسیم نے کہا، ''سوری ابو جی!''

سب لطف اندوز ہوئے، عرصہ دراز کے بعد یہ وسیم کے منہ سے اچھی بات نکلی تھی۔

راشد مسکرائے اور شکریئے کے انداز میں اپنا سر ہلایا۔

پھر کہنے لگے، ''میرے بیٹے، سچ ہے! یہ وقت وقت کی بات ہے۔''

"گھر کی فضا کوتجدید محبت سی انمول بنائیں!"

راشد نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا، "ہم سب نے ایک دوسرے کے ساتھ اچھا رویہ شروع کر دیا ہے، دیر سے ہوا لیکن ہوا تو سہی! حقیقی زندگی میں یہ بہت ہی مشکل بات ہے کہ ایک ہی گھر میں تمام لوگ ایک دوسرے سے لڑے بغیر رہیں۔"

سب اپنے باپ سے متفق دکھائی دے رہے تھے۔ راشد نے کہا، "ہمارے اس رویئے کے باعث ہماری زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔ لہٰذا میں یہ کوشش کروں گا کہ آئندہ آپ کو ہر وقت بتا دیا کروں کہ کب آپ کا رویہ اچھا ہے؟ اور کب آپ کا رویہ بُرا ہے؟"

وسیم نے کہا، "بہت اچھا لگے گا، ہمیں ضرور بتایئے گا!"

راشد سمیت سب بچے ہنسنے لگے۔

پھر راشد نے کہا، "حال ہی میں میری کارکردگی اچھی رہی ہے!"

ریشم کہنے لگی، "بالکل درست، آپ صحیح کہہ رہے ہیں، اور اس سے ہمیں بہت مدد ملی ہے۔"

فاطمہ اٹھی اور اُس نے اپنے باپ کو گلے لگا لیا، اور کہنے لگی، "ابو جی! مجھے آپ سے پیار ہے!"

سب بچے خاموش تھے لیکن سب کو کمرے کی فضا محبت سے لبریز محسوس ہو رہی تھی۔

بالآخر، راشد نے یہ خاموشی توڑی، "شکریہ بیٹا! یہ تو بہت اچھی بات ہے، آپ کو معلوم ہے کہ آپ میری تعریف کر سکتی ہو۔ والدین بھی انسان ہوتے ہیں!"

''انمول نظر ثانی اور شاباش کا نتیجہ انمول احساس!''

پھر آمنہ مسکرائی اور کہنے لگی، ''ابو جی! مجھے یہ خیال بہت پسند آیا ہے کہ آپ ہماری فوری تعریف کر دیا کریں گے۔'' اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ پھر وہ راشد کے پاس گئی، اپنا ہاتھ ان کے کاندھے پر رکھا، ان کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھا اور کہنے لگی، ''ابو جی! آپ اب اچھی طرح بات کرتے ہیں، اب آپ ہمیں ایک پیارا انسان سمجھتے ہیں، میں واقعی بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں، آپ کیلئے شاباش!'' سب بچے ہنس پڑے..... حتیٰ کہ بلال بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اب انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ انمول شاباش کیا ہے، اور وہ سب بہت ہی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

پھر ننھی فاطمہ آہستہ سے کہنے لگی، ''ابو جی! مجھے بھی آپ سے بہت محبت ہے'' اس نے اپنے باپ کو بہت زور سے گلے لگا لیا۔ اب راشد جذباتی ہو رہے تھے لیکن انہوں نے اپنی یہ کیفیت چھپالی۔ جب ان کی حالت سنبھل گئی تو انہوں نے ہنستے ہوئے کہا، ''میری بیٹی، بہت شکریہ، مجھے اسی کی ضرورت تھی۔''

راشد کو علم تھا کہ اپنی کیفیات کے بارے میں بچوں کے ساتھ گفتگو کی جا سکتی ہے، اور اب انہوں نے اپنے خیالات اور جذبات کا برملا اظہار کرنے میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ بچوں پر واضح تھا کہ والد تعلقات بہتر بنانا چاہ رہے ہیں۔ وہ اپنے باپ کو پہلے سے زیادہ پسند کرنے لگے تھے۔ راشد اپنی جگہ بہت خوش تھے کہ انہوں نے بچوں کے اچھے رویوں پر تعریف وستائش کرنا شروع کر دی ہے۔

انہوں نے اچھی طرح جان لیا کہ بچوں کو انمول نظر ثانی کا آخری نصف حصہ کیوں پسند آیا تھا؟ اب تک ان کی سمجھ میں جو کچھ آیا تھا انہوں نے ان سب معلومات کو ایک خلاصے کی شکل دے دی۔

خلاصہ: انمول شاباش

انمول شاباش اس وقت بہت ہی کارگر اور مفید ثابت ہوتی ہے، جب:

1- میں بچوں کو پہلے ہی بتا دیتا ہوں کہ کوئی اچھا کام کریں گے تو میں ان کو شاباش دوں گا۔ اور میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ بھی مجھے شاباش دے سکتے ہیں۔

2- میں بچوں پر نظر رکھتا ہوں کہ کب وہ کوئی اچھا کام کرتے ہیں؟ بچے جب بھی کچھ اچھا کرتے ہیں میں انہیں بتا دیتا ہوں۔

3- میں اپنے بچوں کو بتاتا ہوں کہ ان کے اچھے رویئے کے باعث میں کس قدر خوش ہوتا ہوں! میں اپنے اطمینان کا اظہار کرتا ہوں، پھر میں چند لمحوں کے لئے خاموش ہو جاتا ہوں، تاکہ وہ اچھا محسوس کر سکیں۔

4- پھر میں انہیں بتا دیتا ہوں کہ میں ان سے پیار کرتا ہوں، تعریف اور شاباش کے آخر میں انہیں چھوتا ہوں یا گلے لگا لیتا ہوں۔

5- انمول شاباش کا عمل مختصر اور خوشگوار ہوتا ہے، جب یہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر یہ ختم ہو جاتا ہے۔

6- مجھے معلوم ہے کہ اپنے بچوں کی تعریف کرنے اور شاباش دینے میں بہت کم وقت صرف ہوتا ہے تاہم اس کے باعث ان میں پیدا ہونے والے اچھے اثرات دیر تک برقرار رہتے ہیں۔

7- شاباش کے لین دین سے اچھا احساس پیدا ہوتا ہے۔

''ہدف پُر جوش بناتا ہے اور شاباش جوش بڑھاتی ہے!''

اپنے بچوں کے اچھے رویوں پر راشد اُن کی تعریف و ستائش میں ہرگز بخل سے کام نہ لیتے۔جوں جوں دن گزرتے گئے، بچے بھی اپنے باپ کو عزت اور محبت سے پکارنے لگے۔اب بچوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک ''نئے اور مزیدار'' ابو سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور انہوں نے خود کو پہلے سے کہیں زیادہ اہم اور اچھا سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

راشد بہت خوش تھے کہ ان کے بچے نا صرف اچھے رویوں پر انمول شاباش کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں بلکہ بُرے رویوں کے نتیجے میں انمول نظرثانی پر بھی گرم جوشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔اس گھرانے میں راشد سمیت سبھی اچھا محسوس کر رہے تھے۔اب اس گھر کا ماحول مثبت جذبات سے مہک رہا تھا۔

ایک شام، راشد اپنے کمرے میں آرام دہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔وہ کسی سوچ میں گم تھے۔ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے وسیم کو سکول کا کام کرتے ہوئے دیکھا۔وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے، ''بچے کیسے پرجوش ہو جاتے ہیں؟''

راشد کو اپنے تجربے سے پتا چلا کہ جب لوگوں سے تعلق بڑھایا جائے تو اُن کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے۔اب وہ خواہشمند تھے کہ ان کے بچے اپنی زندگیوں کے معاملات خود سنبھال لیں۔وہ انہیں ذمہ دار انسانوں کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔راشد کو علم تھا کہ وہ اس مسئلے کا حل ڈھونڈ کر بچوں کی زندگی کو آسان اور زبردست بنا سکتے ہیں۔

پھر انہیں ایک ''بنیادی'' قول زریں یاد آیا، ''اہداف کے ذریعے رویوں کا آغاز ہوتا ہے جبکہ نتائج ان رویوں کو برقرار رکھتے ہیں۔''

”جو لوگ گول سیٹ کرتے ہیں وہ کامیاب رہتے ہیں!“

حال ہی میں راشد نے بچوں کے ایسے رویوں پر بہت توجہ دی، جن سے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔ جب راشد نے خوشحال لوگوں بارے سوچا تو ایک چیز مشترک نظر آئی، یعنی..... گول سیٹنگ! مزید برآں یہ لوگ اپنے مقصد حیات کا تعین ضرور کرتے ہیں۔

اُنہیں کوئی شک نہ رہا کہ کامیاب لوگ محض محبت، دولت اور ذہنی سکون بارے فکر مند نہیں ہوتے، بلکہ وہ سب سے پہلے اپنی زندگی میں ایک بڑے مقصد کا تعین کرتے ہیں اور پھر ایسے گول سیٹ کرتے ہیں جو اس بڑے مقصد کو بڑھاوا دے سکیں۔ مزید برآں وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس سے بڑے مقصد کو ٹھیس پہنچے۔

راشد کو مقصد حیات اور گولز کا آپس میں گہرا رشتہ نظر آتا تھا۔ تاہم انہوں نے ابھی تک گول سیٹنگ کا اطلاق بچوں کی پرورش اور گھریلو زندگی پر نہیں کیا تھا۔ اگرچہ خوشحال افراد اپنے اہداف و مقاصد متعین کرتے ہیں، لیکن اکثر یہ تحریر شدہ نہیں ہوتے، ایسے لوگ اچھی خاصی کامیابی حاصل کرتے ہیں لیکن معاملات میں کچھ تہی دامن رہتے ہیں۔

ان باتوں پر غور کرتے ہوئے، راشد کو ”20/80 کا قانون“ یاد آ گیا۔ سولہویں صدی کے ایک معیشت دان نے دریافت کیا کہ اٹلی میں 20% افراد کے پاس 80% دولت ہے اور پھر اس نے دوسری اقوام کا بھی جائزہ لیا۔ اسے ہر قوم میں، معاشی، سیاسی یا معاشرتی ڈھانچے کے قطع نظر، دولت کی تقسیم کے معاملے میں یہی شرح نظر آئی۔

"ہم زندگی کے کچھ "مضمونوں" میں اچھے
اور کچھ میں کمزور ہیں!"

راشد سوچ رہے تھے، "آج بھی ایسا ہی ہے۔ زندگی میں زیادہ تر آسائشیں اور خوشحالی کی اکائیاں صرف چند لوگوں کے پاس ہوتی ہیں۔ ان آسائشوں میں دولت، عزت، سکون، خوشی اور رشتے ناطے شامل ہیں۔ یہ صورت حال صدیوں سے جاری ہے۔ یہ بہت ناانصافی کی بات ہے۔ 20 افراد کے پاس خوشحالی کی 80% اکائیاں ہوں اور باقی 80% افراد 20% اکائیوں کیلئے دست و گریبان ہوں تو بہت دُکھ کی بات ہے۔

راشد انہی سوچوں میں گم تھے کہ ان کی بیٹی آمنہ کمرے میں داخل ہوئی اور باپ سے پوچھنے لگی، "ابا جان، کیا آپ "انگریزی" میں میری مدد کر سکتے ہیں؟ یہ لڑکی ریاضی اور سائنس میں بہت اچھی تھی لیکن انگریزی میں کمزور تھی۔ دو ماہ پہلے تک اس نے ہمیشہ یہ بات چھپانے کی کوشش کی تھی، لیکن اب وہ پر اعتماد ہوتی جا رہی تھی، اور اپنی ضرورت پر بات کرتے ہوئے اُسے کوئی ندامت محسوس نہ ہو رہی تھی۔ پھر راشد نے آمنہ کو انگریزی سیکھنے میں مدد دی۔ اور اُسے بتایا کہ وہ اس مضمون میں کیسے مہارت حاصل کر سکتی ہے؟

جب آمنہ چلی گئی تو راشد سوچنے لگے، "ہم سب اپنی زندگی کے کچھ "مضمون" میں اچھے اور کچھ میں کمزور ہوتے ہیں۔"

راشد جانتے تھے کہ وہ گھر کی نسبت کاروبار میں زیادہ کامیاب تھے۔ اب وہ اس میں تبدیلی کے خواہاں تھے۔ وہ سوچنے لگے بچوں کے ساتھ کیا اقدامات کریں؟ جب بچوں پر زور زبردستی اختیار کی جائے تو وہ گھٹن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

”بچوں کو مرضی کا انسان بنائیں یا اچھا انسان ؟“

وہ غور کرنے لگے،”وہ اپنے آپ سے کیا چاہتے ہیں؟ وہ اپنے بچوں سے کیا چاہتے ہیں؟ بچوں کا کیسا رویہ انہیں مطمئن کر سکے گا؟ کیا میرے بچے میری مرضی کے انسان بنیں گے؟ یا پھر زندگی میں اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق آگے بڑھیں گے؟“

آخرکار راشد نے فیصلہ کرلیا،”والدین کی طرف سے بچوں کے لئے سب سے بڑا تحفہ یہ ہے کہ وہ بچوں میں ”شائستہ اور مہذب رویہ“ پیدا کریں، تاکہ وہ شعور کی دولت سے مالا مال ہو کر زندگی کے فیصلے خود کرسکیں۔“ راشد کو اچانک احساس ہوا کہ وہ کر کیا رہے ہیں؟ وہ اپنے آپ پر ہنسنے لگے،”میں خود ہی فیصلہ کر رہا ہوں کہ میرے بچوں کے لئے کیا اچھا ہے؟ حالانکہ مجھے اُن کی مرضی اور رجحان بارے بھی پوچھ لینا چاہیے۔“

راشد انہی سوچوں میں گم تھے کہ ریشم کمرے میں آئی اور پوچھا،”ابو جی! کیا ہم اپنے چچیرے بھائی بہنوں کو رہنے کیلئے بلا سکتے ہیں؟“

راشد نے سوچا، چار مزید بچے اس گھر میں ہوں گے؛ وہ قدرے ہچکچا رہے تھے، ریشم کہنے لگی، ”ابو جی! یہ سب بہن بھائیوں کے لئے بہت اچھا ہوگا کہ ہم اکٹھا وقت گزاریں۔“

راشد سوچ میں پڑ گئے، بلال نے ولنگ ویز بھی جانا ہوگا۔ اس کے کزن پوچھیں گے تو کیا جواب دے گا۔ آخرکار انہوں نے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ راضی ہوگئے۔

"گھر میں اہداف طے کریں اور انکے مطابق چلیں!"

راشد نے مکمل تیاری کر رکھی تھی۔ جیسے ہی بچے پہنچے انہوں نے سب کو اکٹھا کیا اور کہا، "آئیں کچھ بات چیت کر لیں۔ ہم اس گھر میں معاملات طے کرتے ہیں اور پھر اُس کے مطابق چلتے ہیں۔"

راشد نے تمہید باندھنا شروع کی، "ہم سب یہ دن مزے سے گزارنا چاہتے ہیں، اور ہم میں سے کوئی بھی نگرانی نہیں کرے گا"، پھر راشد بولے، "آپ سب مل کر موج مستی کرنے والے ہو، میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کیا چاہتے ہو؟" سب بچے بیک وقت بولنے لگے۔

راشد نے کہا، "خاموش! میں چاہتا ہوں سب اپنے اپنے دل کی بات لکھ دو۔"

سب بچے لکھنے لگے۔ اس دوران راشد چہل قدمی کر رہے تھے۔ بچے کیا لکھ رہے ہیں؟ بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں یہ تھیں: ٹیبل ٹینس، کیرم بورڈ اور لڈو کھیلنا، پاپ کورن بنانا، فلم دیکھنا، کامیڈی پروگرام دیکھنا، بازار سے کھانا آرڈر کرنا، رات کو دیر تک جاگنا اور باتیں کرنا۔

راشد کہنے لگے، "آپ سب ان باتوں پر متفق ہیں، لیکن میں اپنی بات کرتا ہوں۔ یہ تمام موج مستیاں، مجھے بھی منظور ہیں سوائے رات کو دیر تک جاگنے اور باتیں کرنے کے۔ اس کے باعث ہمسائے پریشان ہو سکتے ہیں جب آپ لوگ باتیں کرتے، چیختے چلاتے اور قہقہے لگاتے ہو تو کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔"

ان میں سے ایک بچے نے پیشکش کی، "اگر ہم آہستہ آواز میں گفتگو کریں اور پھر سو جائیں تو؟"

راشد نے جواب دیا، "پھر ٹھیک ہے، لہٰذا ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

پھر وسیم بولا، "آپ نے کہا کہ یہ ہمارے "چند گولز" ہیں، یہ بھی بتا دیں اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"

راشد نے پوچھا، "اگر آپ باپ ہوتے اور آپ کے گھر میں نو بچے ہوتے تو آپ پھر کیا چاہتے؟"

”اپنے گول اور رویئے ،دونوں پر نظر ڈالتے رہیں!“

بچے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، چندلحات کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر ممتاز بولا، ”جب کوئی فون کررہا ہوتو خاموش ہوجائیں!“ اس نے یہ فقرہ اپنے گھر میں ایک دفعہ سنا تھا۔

”بہت خوب، اسے بھی کاغذ پر لکھ لو۔“

پھر بچوں نے کئی اور مفید باتیں لکھیں، مثلاً اپنا بستر خود بنائیں گے، اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھیں گے، کوڑا کرکٹ، ٹوکری میں ڈالیں گے، اپنے کھانے کے برتن خود دھوئیں گے، گھر میں پڑی چیزیں جیسے کہ ڈیکوریشن پیس، ریموٹ جہاں ہیں انہیں وہیں پڑا رہنے دیں گے، مختلف اشیا مل جل کر استعمال کریں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کریں گے، اور دوپہر کو سب بچے ڈیڑھ گھنٹہ آرام کریں گے۔

راشد نے کہا، ”زبردست! آپ نے خود اپنے گولز سیٹ کر لئے ہیں اور آپ نے یہ کام بہت اچھی طرح انجام دیا ہے۔ آپ آسانی سے ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ ایک گول یہ ہوسکتا ہے کہ اس دوران کوئی بچہ سیل فون استعمال نہیں کرے گا“

بچوں نے پوچھا، ”ان چیزوں کو آپ ”گول“ کیوں کہتے ہیں؟“

باپ نے جواب دیا، ”سنو! جو کچھ آپ نے لکھا ہے، اسے پڑھو، پھر ورق الٹ دو، پھر میں آپ کو بتاتا ہوں!“

بچوں نے کچھ وقت پڑھا، پھر راشد نے ان سے کہا، ”یہ گول آپ نے صرف ایک منٹ کے اندر ہی پڑھ لئے! تمنا، خواہش، ہدف ٹارگٹ کو گول کہتے ہیں۔“

پھر ممتاز نے پوچھا، ”یہ بہت فائدے کا کام ہے پر دل نہیں چاہتا۔“

’’اپنی مرضی سے گول سیٹ کریں تو کامیابی یقینی ہے!‘‘

راشد نے اتفاق کیا اور انہیں کہا کہ وہ ورق کی دوسری جانب مندرجہ ذیل الفاظ لکھ لیں: ’’میں فوری طور پر اپنے اہداف پر نظر ڈالتا ہوں اور اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیتا ہوں، پھر میں دیکھتا ہوں کہ کیا میرا طرزِ عمل، میرے اہداف سے مطابقت رکھتا ہے؟‘‘

سجاد بولا، ’’میں سمجھ گیا ہوں، یعنی ہم نہایت مختصر وقت اپنے گول پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ہم وہ کچھ کر رہے ہیں جو ہمیں کرنا چاہیے؟‘‘

راشد نے جواب دیا، ’’بہت خوب، آپ ٹھیک سمجھے!‘‘

پھر وسیم نے کہا، ’’ہم اپنا گول جتنا ذہن میں بٹھا لیں گے اتنا ہی کامیاب ہوں گے۔‘‘

راشد نے کہا، ’’بہر حال، مجھے ایک چیز درست کر لینے دو۔ کیا یہ صرف میری خواہش ہونی چاہیے کہ آپ اپنا گول حاصل کر لو؟ کیا صرف میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے ہدف پر نظر ڈالو؟ یہ کس کا کام ہے؟‘‘

بچے ہنسے اور کہنے لگے، ’’ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے!‘‘

ریشم بولی، ’’میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اپنا ایک ’’اجلاس‘‘ منعقد کرنا چاہیے تاکہ ہم یہ سب کام تقسیم کر لیں، کوئی شک نہیں، ہم یہ کام کر سکتے ہیں۔‘‘

انہوں نے جو کچھ کیا، راشد نے اسے نہیں دیکھا۔ سب کام بہت اچھی طرح انجام پائے۔ پہلی رات جب بلال اور اس کا کزن مبشر باہر سوئے تھے تو ان کی باتوں کا شور سنائی دے رہا تھا، راشد نے انہیں بلایا اور الگ لے جا کر نظر ثانی کی اپیل کی، نتیجے میں انہوں نے اپنا طرزِ عمل ٹھیک کر لیا۔

"اپنے اہداف اور طرزعمل کو میچ کرتے رہنا کیوں ضروری ہے؟"

ہفتے اور اتوار کی صبحوں کو راشد نے بچوں کو تھوڑی دیر کیلئے اکٹھا کیا تا کہ وہ گولز اور رویوں کا موازنہ کرسکیں۔ یہ بحث بہت ہی دلچسپ تھی۔ سب بچے ایک دوسرے کو نظر ثانی کیلئے کہتے رہے اور شاباش دیتے رہے۔ راشد کو بہت مزہ آرہا تھا، وہ بہت خوش تھے۔

چچیرے بہن بھائیوں کے رابطے اور شائستہ گفتگو سے اچھے نتائج پیدا ہوئے تھے۔ چھٹیوں اور میل ملاقات کے دو تین دن تیزی سے گزر گئے، یہ ایام بہت مزیدار تھے۔ مبشر شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہونے لگا تو راشد نے انمول شاباش دی۔ ان تعطیلات کے دوران، راشد نے انمول گول سیٹنگ، شاباش اور نظر ثانی کا بھرپور مظاہرہ کیا، کامیابی سر چڑھ کر بول رہی تھی۔

اگلے دن راشد نے اپنے بچوں کو انمول گول سیٹنگ بارے مکمل جان کاری دی۔ "ہم مجموعی طور پر اپنے اہداف کا تعین کیسے کرتے ہیں؟ وہ اہداف جن پر گھرانے کے دو یا زائد افراد رضا مند ہوں وہ فیملی کے مشترکہ اہداف ہوتے ہیں۔ وہ ہدف جو کسی ایک فیملی ممبر کی زندگی کے لئے کار آمد ہوں انہیں انفرادی ہدف کہتے ہیں۔"

بچوں نے جواب دیا، "یہ تو بہت اچھی بات ہے!"

راشد نے کہا، "تب پھر آپ کو چاہیے کہ اپنی خواہش یا ہدف تحریر کرلو جس کے لئے آپ پہلے ہی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی لکھ لو کہ آپ اپنا یہ گول کب حاصل کرنا چاہو گے؟"

''اپنے موڈ مزاج پر قابو پانا انمول مہارت ہے!''

راشد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، ''مثال کے طور پر میرے اہداف یہ ہیں کہ ''میری صحت اچھی ہو، میں مرضی سے کھاؤں، پیوں اور روزانہ تین میل واک کروں۔ اور 25 مئی تک میرا وزن 3 کلوکم ہو جائے۔''

وسیم کے ذاتی اہداف یہ تھے 15 دن میں کلاس کا مانیٹر بننا۔ سیر کرنا اور رات دس بجے سو جانا۔

بلال نے بھی گول سیٹنگ کی جیسے کہ: ''اپنے نظریات کو علاج کے سانچے میں ڈھالنا، موڈ اور مزاج پر قابو پانا اور 100 دن تک ولنگ ویز کے فالواپ پروگرام سے جڑے رہنا۔''

جب راشد دیکھ رہے تھے کہ وہ اور ان کے بچے تیزی سے زندگی گزارنا سیکھ رہے ہیں، ان کے خواب پورے ہوں گے۔ اُن کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

کچھ بچوں کے نجی اہداف و مقاصد تھے اور وہ ان کا ذکر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں دوسرے ان اہداف کا مذاق نہ اڑائیں۔ راشد نے ان کو انمول شاباش دی۔ اب یہ گھرانہ اپنی زندگی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

گول سیٹنگ، شاباش اور نظرِ ثانی پر مشتمل انمول طریقے کامیاب ثابت ہو رہے تھے۔ بچوں نے بھی انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا تھا۔ بچوں کا رویہ اور طرزِ عمل قابل ستائش تھا۔ راشد کی گھریلو زندگی بہت ہی پُر لطف اور پرسکون ہو گئی تھی۔

لیکن ایک اور باپ مقصود بہت تکلیف میں تھے۔

☆☆☆

خلاصہ: ہمارے گولزاس وقت کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں، جب:

1- ہم انفرادی لحاظ سے گول سیٹنگ کے علاوہ پوری فیملی کے اجتماعی اہداف کا تعین بھی کرتے ہیں۔

2- ہم سب اتفاق رائے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہم وہ سب کچھ حاصل کرلیں جس کی خواہش رکھتے ہیں۔

3- ہم سب تقریباً 150 الفاظ میں اپنے اہداف لکھتے ہیں اور اکثر اوقات اس پر نظر ڈال لیتے ہیں۔ ہمارے اہداف واضح ہوتے ہیں اور ہمیں پتا ہوتا ہے کہ ہم انہیں کب تک حاصل کرلیں گے؟

4- ہم سب اپنے اہداف کو دہراتے رہتے ہیں تاکہ وہ سوچ کا لازمی حصہ بن جائیں اور اُن پر عمل پیرا ہونے کیلئے پرجوش ہو جائیں۔

5- ہم سب اکثر و بیشتر اپنے اہداف اور اپنے طرزِعمل کا جائزہ لیتے رہتے ہیں تاکہ پتا چلتا رہے کہ دونوں ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

6- ہفتے میں ایک دن ہم سب مل کر ان اہداف میں پیش رفت کا جائزہ لیتے ہیں۔

7- ہم سب پرانے اہداف حاصل کرنے سے پہلے ہی کچھ نئے اہداف کا تعین کر لیتے ہیں تاکہ جوش وجذبہ برقرار رہے اور خوشحالی کا سفر جاری رہے۔

''آج کل بچے کیا کیا گل کھلاتے ہیں؟''

لاہور شہر کے دوسری جانب ماڈل ٹاؤن میں، ایک اور باپ، مقصود بہت تکلیف میں تھے۔ وہ سرکاری ملازمت میں تھے اور بیوی کے ہمراہ جوائنٹ فیملی میں رہتے تھے۔ دونوں میاں بیوی صرف اس بات پر متفق تھے کہ اُن کے تینوں بچے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ وہ ان کی بات سنتے تھے اور نہ ہی اپنی ذہانت سے کام لیتے تھے۔ 16 سالہ ہارون آوارہ دوستوں کے ساتھ رہتا اور 19 سالہ حمزہ چرس کا رسیا تھا۔ 21 سالہ شمسہ ایسی حرکتیں کرتی جیسے نیویارک میں پیدا ہوئی ہو، دونوں میاں بیوی کا دل بہت دُکھتا۔ سب بچوں کی تعلیمی قابلیت صفر تھی اور وہ ہمسائیگی میں بچوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔

جب وہ بہت زچ کرتے تو ان کی ماں انہیں اکثر کہتی، ''تمہاری ہڈیاں مار کے لئے دہائی دے رہی ہیں''، آج آلے تمہارا باپ، پھر دیکھنا کیسے تمہاری دھلائی ہوگی؟ مقصود اس صورت حال سے بہت مایوس تھے۔

مقصود کا کام کاج بہت مشکل تھا، وہ پولیس میں ایس ایچ او تھے، بچے مقصود کے گھر آنے سے گھبراتے تھے، خود مقصود بھی گھر کو تھانہ ہی سمجھتے تھے اور گھر کا خیال آتے ہی ان کا دل دھڑکنے لگتا۔ کام کے بعد گھر اس لئے آتے تھے تاکہ چین نصیب ہو۔ اکثر اُن کا استقبال ان الفاظ سے ہوتا ''مقصود! میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی''، آپ جانتے ہیں بچوں نے آج کیا گل کھلائے ہیں؟''

”بچے ایک دوسرے کی پٹائی کریں، تو ہم اُن کی پٹائی کریں؟“

یہ نوجوان جوڑا نہیں چاہتا تھا کہ ان کے بچے تباہ ہو جائیں، وہ اپنے بچوں کا مستقبل بہت تاریک دیکھ رہے تھے۔ دونوں میاں بیوی بہت پریشان اور مضطرب تھے۔ وہ اپنے بچوں کی من مانی کیسے روکیں؟ ان کو کیسے ڈسپلن کریں؟ انہیں کبھی کسی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ والدین کا کردار کیسے نبھایا جاتا ہے؟ آخر اپنی ڈوبتی کشتی کو کیسے بچائیں؟ سچ تو یہ تھا کہ انہوں نے بچوں کی پرورش بارے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ انہیں یہ سب ”کام دھندہ“ سیکھنے کی شدید ضرورت تھی۔
ایک دن مقصود گھر آئے تو اُن کی بیگم حاجرہ نے کہا، ”میری تو بس ہوگئی ہے، آپ ہی کچھ کرو، میں اکیلی جان ہارگئی ہوں۔“

مقصود نے اُس دن گھر کو تھانہ سمجھ لیا اور اپنے بچوں کی ٹھیک ٹھاک پٹائی کی۔ اس سے معاملہ اور بھی بگڑ گیا۔ تنگ آمد بجنگ آمد، بچے اور بھی منہ زور ہو گئے انہوں نے اپنے بچوں کی مزید پٹائی کی، مقصود نے تشدد کا سلسلہ دراز کر دیا، مقصود کو کوئی اور طریقہ نہیں آتا تھا لیکن پٹائی میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی، تاہم مقصود کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
ایک دفعہ انہوں نے اپنے بیٹے کو ان الفاظ میں ڈرایا، ”اگر تم نے اپنے چھوٹے بھائی کو دوبارہ مارا تو میں تمہاری بہت پٹائی کروں گا۔“

”بچے گل کھلائیں تو والدین رات بھر کروٹیں بدلتے ہیں!“

مقصود اکثر اپنے دوستوں کے سامنے مایوسی کا اظہار کرتے، جو خود بھی اسی کشتی کے سوار تھے۔ بہت سے لوگوں نے دل کا غبار نکالا، ”اب وہ زمانے نہیں رہے، جب بچے ماں باپ کے سامنے چوں نہیں کرتے تھے، حالات اس قدر تیزی سے بدل رہے ہیں کہ والدین حواس باختہ نظر آتے ہیں، رسم و رواج بدل گئے ہیں، بچوں نے طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔ آخر ہمارے بچے ہم سے کیا چاہتے ہیں؟“

ایک لحاظ سے مقصود ”مطمئن“ تھے کہ وہ اکیلے اس مسئلے سے دوچار نہیں ہیں۔

مقصود کے گھر میں صورت حال بگڑتی چلی جارہی تھی۔ اب تو ان کی بیوی شہلا اُلجھنے لگی تھی۔ ان کی ازدواجی زندگی متاثر ہورہی تھی۔ دونوں میاں بیوی رات بھر منہ موڑ کر سوتے جاگتے رہتے!

پریشان کن گھریلو زندگی کے باعث ان کی پیشہ وارانہ زندگی بھی اضطراب کا شکار ہونے لگی۔ اُن کی ”خوش قسمتی“ کہ ایک ملزم پر تشدد کے نتیجے میں انہیں لائن حاضر کردیا گیا۔ بالآخر، انہوں نے کسی ماہر سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس ضمن میں انہوں نے ماہرین نفسیات، سماجی کارکنوں اور دیگر ماہرین سے مشورہ کیا۔ ان لوگوں نے انہیں کئی مفید مشورے اور ٹوٹکے بتائے، لیکن وہ مطمئن نہ ہوسکے، اب تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ آخر کار انہوں نے میرے ساتھ ملاقات کی ٹھان لی۔

☆☆☆

”بچوں کو بے بس بنانا کارِلاحاصل ہے!“

میں نے مقصود کی بات توجہ سے سنی اور کہا،”ایک صاحب گلبرگ میں رہائش پذیر ہیں۔ مشکلات کے ایک طویل دور سے گزرنے کے بعد وہ اب اپنے پانچ بچوں کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔اُن کا نام راشد خان ہےاوروہ ایک انمول باپ ہیں۔آپ اُن سے ملیں۔“

راشد خان کا اصل کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ایسے والدین کیلئے انجمن بنا رکھی ہے۔اس پر طرہ یہ کہ راشد دوسرے والدین کے ساتھ اپنی مہارتیں شیئر کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے تو روشنی کم نہیں ہوتی، بڑھ جاتی ہے۔

مقصود نے انہیں فون کر کے اپنا تعارف کرایا،”سچ تو یہ ہے کہ میں بہت پریشان ہوں، جناب،آپ کی بہت مہربانی ہوگی،بس آپ مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیں۔میں آپ سے بچوں کو قابو کرنے کا فارمولا جاننا چاہتا ہوں۔“

راشد نے جواب دیا،” آپ ہفتے کی صبح آسکتے ہیں،لیکن میری ایک شرط ہے!“،پھر راشد ہنسے اور کہنے لگے،” فکر کی کوئی ضرورت نہیں، میں جو کچھ بتاؤں گا، وہ آسان اور سادہ ہے۔لیکن بچوں کو قابو کرنے یا بے بس بنانے کی کوئی ضرورت نہیں،جب جن بوتل سے باہر آجائے تو اسے دوبارہ بوتل میں بند کرنے کی کوشش نہ کریں، اُسے اچھا محسوس کرنے میں مدد دیں تا کہ وہ آپ سے پوچھے“،”کیا حکم ہے میرے آقا؟“

مقصود نے دل وجان سے آمادگی ظاہر کر دی۔

”گھر کے باہر کھلاڑی اور اندر اناڑی کیوں؟“

ہفتے کی صبح مقصود اس عالی شان گھر کے سامنے موجود تھے اور سوچ رہے تھے، ”یہ شخص تو بہت ہی کامیاب ہے، کوئی حیرت نہیں کہ وہ کامیاب باپ بھی ہے...... یقیناً مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے“، مقصود سوچتے سوچتے رُک گئے، وہ خود کو احساس کمتری میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اچانک انہیں یاد آ گیا کہ ان کے والد ہر دم احساس کمتری میں مبتلا رہتے اور اپنی ذات پر ملامت کرتے نظر آتے تھے۔ مقصود اپنے لئے عزتِ نفس کے خواہاں تھے۔ بیرونی دروازے پر سفید بالوں والے ایک شخص نے ان کا استقبال کیا۔ راشد بہت تندرست تھے اور ان کی چمکدار آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔

راشد نے کہا، ”تشریف لائیے، مجھے خوشی ہے آپ مجھے ملنے کے لئے آئے! میں راشد ہوں، سچی بات تو یہ ہے کہ میں آپ کی بھرپور مدد کرسکتا ہوں۔ میں بھی کچھ عرصہ قبل آپ کی طرح اپنی پریشانی دور کرنے کے لئے سرگرداں تھا۔ میں اپنے حالات کو ہر صورت بہتر بنانا چاہتا تھا۔ یہ ابھی کل کی ہی بات ہے!“

”آپ؟ آپ بھی اسی مشکل میں گرفتار تھے؟ آپ تو بہت کامیاب نظر آتے ہیں؟“

راشد مسکرائے اور کہنے لگے، ”میں نے کاروبار اور معاشرے میں مقام بنا لیا لیکن بچوں کی پرورش میں باپ کا کردار ادا نہ کرسکا۔ ہم سب بہت سی چیزوں بارے انجان ہوتے ہیں!“

”غلطی تسلیم کرنا کمزوری نہیں طاقت کی علامت ہے!“

مقصود نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا،” بظاہر آپ ایک زبردست باپ لگتے ہیں! لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ جو کچھ میں کروں گا کیا وہ صحیح ہوگا؟ میں نے آج تک بچوں کے ساتھ جو کچھ بھی کیا اُن کا بیڑا غرق ہی ہوا۔“

راشد نے قہقہہ لگایا، اور پھر مسکراتے ہوئے کہا،” ایک باپ بھی غلطی کا مرتکب ہوسکتا ہے، لیکن بچے یہ بات تسلیم نہیں کرتے!“

” جب آپ سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟“

راشد نے جواب دیا،” میں اپنی غلطی مان لیتا ہوں، اس طرح وہ مجھے خطا کا پتلا تسلیم کر لیتے ہیں۔ جب میں اتنی ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کرتا ہوں تو میرے بچے بہت خوش ہوتے ہیں ، میری ستائش کرتے ہیں !اور پھر اگر یہ غلطی زیادہ خطرناک نہ ہو، اور اکثر میری غلطیاں خطرناک نہیں ہوتیں..... میں خود بھی اپنے آپ پر ہنستا ہوں۔“

حیرت میں ڈوبے مقصود نے پوچھا،” آپ اپنی غلطی پر ہنستے ہیں؟“

” بالکل، آپ بھی اپنی حماقتوں پر ہنسیں، اور بچوں کو بھی بتائیں کہ ان کیلئے بھی اپنی حماقتوں پر ہنسنا منع نہیں ہے۔ جو شخص ایمانداری کے ساتھ اپنی غلطی تسلیم کر لے، اور پھر اپنی حماقت اور بے وقوفی پر ہنسے تو وہ کبھی ذہنی انتشار اور جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوتا۔“

مقصود نے اثبات میں سر ہلایا اور کہنے لگے،” یہ تو پھر ایک ایسا طریقہ ہوا جس سے آپ بے چینی اور پریشانی کا ازالہ کر سکتے ہیں۔“

”کچھ نہ کرنے کا پچھتاوہ ہے تووہ کام کر لیں!“

راشد بولے، ”دوسری بات یہ کہ غلطی تسلیم کرنے میں دیر نہ کریں بلکہ ایمانداری کے ساتھ فوراً ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی جائے۔ کوئی اور کام بھی کرنا چاہتے ہیں تو انتظار نہ کریں، بس کر گزریں! فائدہ اٹھائیں۔“

مقصود نے سر ہلایا اور کہا، ”میں تیار ہوں، بتائیں، کیا کرنا ہے؟“

انمول باپ نے کہا، ”ایک ضروری بات! بچوں کی پرورش کے سارے طریقے میرے پاس نہیں ہیں۔ میں کچھ انمول طریقے جانتا ہوں جو آپ یا کوئی بھی باپ سیکھ سکتا ہے، اور چند دنوں میں ہی بچوں کو راستے پر ڈال سکتا ہے۔ اگر آپ کا کوئی طریقہ کامیاب ہے تو اُسے ہر گز نہ بدلیں، میں والدین کو سادہ لفظوں میں یہ بتا دیتا ہوں کہ جب ان کی مرضی خود پر چلنے لگتی ہے تو بچوں کی پرورش میں بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔“

مقصود نے کہا، ”بہت خوب، بہت ہی شاندار!“

راشد نے کہنا شروع کیا، ”بجائے اس کے کہ میں بچوں کی پرورش کے عمومی طریقے بتاؤں، میں کیوں نہ وہ بتا دوں جو میں نے اختیار کیئے، تاکہ آپ ان پر عمل کر کے بہترین نتائج حاصل کر لیں“، وہ کچھ دیر کیلیئے خاموش ہو گئے اور پھر بولے، ”اور آپ کو وہ راز بھی معلوم ہونا چاہیے!“

حیران و پریشان مقصود نے پوچھا، ”وہ راز کیا ہے؟“

”ذمہ داریوں اور خوشیوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے!“

راشد نے اپنے کاندھے اچکائے اور اعتراف کیا،”میں بھی دیگر والدین کی مانند ہوں، میں نے وہ کئی کام نہ کئے جو مجھے کرنے چاہییں تھے،لیکن پچھتاوے میں پھنسے رہنے کی بجائے جب میں نے وہ کام کئے،تو حالات بہت بہتر ہو گئے۔میں اس فکر میں مبتلا نہیں رہتا کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ کتنا وقت گزارتا ہوں، تاہم میں یہ امر یقینی بناتا ہوں کہ زندگی میں ذمہ داریوں اور خوشیوں کے درمیان توازن رہے۔میں اپنے ہر بچے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کرتا ہوں اور یہ کوئی کھیل تماشا نہیں!“

مقصود مسکرائے اور کہنے لگے،”مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی ہے۔جب میں نے پہلی دفعہ سنا کہ لوگ آپ کو”انمول باپ“ کہتے ہیں،تو میں نے سمجھا کہ آپ اپنے بچوں کے ساتھ بہت سا معیاری وقت صرف کرتے ہوں گے،لیکن اب پتا چل رہا ہے کہ آپ تو بچوں کے ساتھ تھوڑے وقت میں چمتکار کرتے ہیں۔“

راشد بھی مسکرا دیئے،”اس بارے آپ کے خدشات درست ہیں۔اس ضمن میں ایک اہم تکنیک گرہ میں باندھ لینی چاہیے۔“

مقصود نے پوچھا،”اور وہ کیا ہے؟“

”آج بچے مزہ کرنا چاہتے، مزے کے بعد مزہ، ہر وقت مزہ!“

”میں اپنے بچوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کیلئے تین انمول طریقوں پر مشتمل ڈھانچے کے اندر کام کرتا ہوں، جب بھی میں اس جہاد میں حصہ لیتا ہوں ایک منٹ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔ اس طرح، ہر وہ منٹ جس کی سرمایہ کاری بچوں کے ساتھ کرتا ہوں، سنہرا ہو جاتا ہے۔ عموماً ہر بچے کے ساتھ یہ ایک منٹ میں علیحدہ علیحدہ گزارتا ہوں۔ اگر اکٹھے بات ہو رہی ہو تب بھی میں ایک بچے کا دوسرے بچے کے ساتھ موازنہ نہیں کرتا۔ میں مکمل طور پر لمحہ موجود میں رہتا ہوں اور اس وقت اپنے سامنے موجود بیٹے یا بیٹی پر مکمل توجہ دیتا ہوں۔“

مقصود نے لقمہ دیا، ”آپ معاملات میں یکسو رہنے کے عادی ہیں؟“

راشد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، ”بالکل درست! جب میں گھر ہوتا ہوں تو صرف اپنے گھر ہوتا ہوں، جب کام دھندے پر ہوتا ہوں تو صرف کاروباری امور اور ملازمین بارے سوچتا ہوں۔ میرا یہ رویہ میری زندگی کے دونوں پہلوؤں میں توازن بنائے رکھتا ہے!“

مقصود کہنے لگے، ”بالکل درست، ڈاکٹر صداقت نے مجھے بتایا تھا کہ آپ اپنی گھریلو زندگی کے علاوہ اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں بھی بہت کامیاب ہیں۔ آپ تو یقیناً بہت اچھا محسوس کرتے ہوں گے!“

راشد نے فخر محسوس کرتے ہوئے کہا، ”الحمداللہ! یہی بات ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ میرے بچے بھی کامیابی کے راستے پر ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے بہت آسان ہو چکا ہے، جب کوئی کام کرنا نہیں آتا تو وہ بہت مشکل یا ناممکن لگتا ہے لیکن ہم وہ کام کرنا سیکھ لیتے ہیں تو یہ بہت آسان ہو جاتا ہے۔“

مقصود نے کہا، ”بحیثیت باپ میری خواہش ہے کہ میرے بچے پرسکون ہوں اور اپنی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرلیں، وہ مزہ کرنا چاہتے ہیں، مزے کے بعد مزہ، ہر وقت مزہ!“

”عزت نفس الجھنیں ختم کرنے میں مدد دیتی ہے!“

انمول باپ نے بات جاری رکھی، ”میں نے بہت مشکلات کے بعد یہ سیکھا ہے کہ بچے عزتِ نفس کی دولت سے مالا مال ہوں تو مزے اور ذمہ داریوں میں توازن رکھتے ہیں، پھر اُن کی مرضی خود اُن پر چلنے لگتی ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اور خوبی کیا ہوگی؟“

مقصود نے پوچھا، ”کیا واقعی؟ آپ مجھے وہ تین طریقے بتائیے جن میں بہت کم وقت لگتا ہے اور آپ اپنے بچوں کو موثر پیغام بھی دے دیتے ہیں؟“

راشد نے جواب دیا، ”یہ وہ طریقے ہیں جن سے بچوں اور والدین کیلئے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ درحقیقت، اب میرے بچے ایک دوسرے کے علاوہ میرے ساتھ بھی یہی انمول طریقے استعمال کرتے ہیں۔“

پھر راشد نے ان تین انمول طریقوں، یعنی گول سیٹنگ، شاباش اور نظر ثانی کی اپیل سے متعلق تفصیل کے ساتھ بات کی۔“

مقصود نے یہ تمام باتیں توجہ سے سُنیں، اور کہنے لگے، ”یہ طریقے انمول نظر آتے ہیں۔ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ یہ تینوں طریقے موثر ہیں تو میں ان سے ضرور فائدہ اُٹھاؤں گا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ تینوں طریقے بچوں میں خود اپنے لئے پسندیدگی کے جذبات پیدا کرتے ہیں؟ ایسا کیوں ہے کہ پھر اُن کی مرضی اپنے آپ پر چلنے لگتی ہے؟ دوسروں کے ساتھ اُن کی اُلجھنیں سلجھ جاتی ہیں اور نفرتیں دم توڑ جاتی ہیں؟“

راشد مسکرا دیئے اور ماضی قریب کی خوشگوار یادوں میں کھو گئے۔

☆☆☆

”بچوں کو بیوقوف کہا جائے تو وہ سچ مان لیتے ہیں!“

انمول باپ نے کہا، ”آپ یہ جاننا چاہتے ہیں گول سیٹنگ کیوں فائدہ مند ہے؟ ہم پہلے یہ جائزہ لیتے ہیں کہ انسانی ذہن کیسے کام کرتا ہے؟ انسانی ذہن کے دو حصے ہوتے ہیں۔“

مقصود نے مداخلت کرتے ہوئے کہا، ”شعور اور تحت الشعور.......ایک حصہ جو باخبر ہوتا ہے اور دوسرا حصہ جو ”خبریں“ محفوظ رکھتا ہے۔“

راشد نے کہا، ”بالکل درست، انسانی ذہن کا زبردست اور طاقتور حصہ تحت الشعور ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اپنے تحت الشعور سے ہر وقت رابطے میں نہ ہوں، لیکن جو کچھ ہم سوچتے، سنتے اور دیکھتے ہیں، وہ سب اس میں محفوظ رہتا ہے۔ ذہن کے اس حصے میں کوئی فلٹر نہیں ہوتا، کسی رکاوٹ کے بغیر ہر چیز اس میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ یہ ہمارے خیالات اور اعتقادات کا گڑھ ہے۔“

مقصود نے کہا، ”ایک بچے کو جو بتایا جاتا ہے، وہ اُسے مان لیتا ہے۔“

انمول باپ نے کہا، ”یہی بات ہے، جن بچوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ احمق اور بے وقوف ہیں، وہ اس بات کو سچ مان لیتے ہیں!“

مقصود کو اپنا بچپن یاد آ گیا، وہ کہنے لگے، ”اور پھر بچے ایسا رویہ اپنا لیتے ہیں جیسے کہ وہ واقعی احمق اور بے وقوف ہوں۔“

''کوئی نظر یہ دہرانے سے نظر یہ حیات بن جاتا ہے!''

انمول باپ نے کہا،'' بالکل درست! اور جب بچے اس طرح کا طرزِ عمل اپناتے ہیں کہ جیسے یہ سب کچھ سچ ہے........''

مقصود نے بات اچک لی،''تو یہ باتیں سچ ثابت ہو جاتی ہیں۔''

راشد نے اپنی بات جاری رکھی،''انمول گول سیٹنگ'' کا طریقہ اس قدر مفید اس لئے ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے کوئی بھی بات بار بار اپنے تحت الشعور میں بھیجتے ہیں تو پھر وہ اس بات پر یقین کرنے لگتے ہیں اور جلد ہی وہ ان کے عمل کا حصہ بن جاتی ہے۔ یاد رہے کہ اُس بات کا صحیح اور سچا ہونا ضروری نہیں۔''

مقصود نے کہا،''اگر یہ اہداف و مقاصد غیر اخلاقی اور مبالغہ آمیز ہوں تو پھر کیا ہوگا؟''

راشد نے جواب دیا،''پھر شعور رکاوٹ ڈالے گا، کامیابی کا انحصار شعور کی قوت اور معیار پر ہوگا۔ یہ اس نظام کا خوبصورت حصہ ہے۔ تحت الشعور میں سے کوئی خیال یا اعتقاد خارج نہیں ہوتا، اس میں ہر چیز محفوظ ہو جاتی ہے، اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سی چیز صحیح ہے اور کون سی چیز ناقص ہے، صرف شعور ہی یہ امتیاز کر سکتا ہے کہ کون سی چیز درست اور کون سی چیز غلط ہے؟ خطرے کی صورت میں شعور نکتہ اعتراض اُٹھاتا ہے، لیکن.......

مقصود نے کہا،''میں ابھی بھی آپ کی بات سمجھ میں نہیں پایا!''

”والدین بچوں کو فاسد نظریات سے کیسے محفوظ رکھیں؟“

راشد نے جواب دیا، ”میں سمجھتا ہوں۔ فرض کریں کہ ایک کسان زمین میں بیج بو رہا ہے۔ یہ زرخیز زمین جسے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ اس میں مکئی اور گندم یا پھر بھنگ، افیون ہے یا تمبا کو بویا جا رہا ہے۔ جس قسم کا بیج زمین میں بویا جائے گا، زمین اسی قسم کی فصل پیدا کرے گی۔ تحت الشعور بھی زرخیز زمین کی طرح ہے، تاہم بلوغت کے بعد شعور ایسے ہدف کو تحت الشعور تک جانے ہی نہیں دیتا جو غیر اخلاقی اور خطرناک ہو۔ بُری خبر یہ ہے کہ تحت الشعور میں بچپن میں ایسے بیج آسانی سے بوئے جا سکتے ہیں۔“

مقصود کے چہرے پر تشویش نمایاں ہوئی اور بولے، ”تو اس کا مطلب ہے بچپن میں کوئی سینسر نہیں ہوتا؟ یہ تو خطرناک صورتحال ہے۔“

راشد نے کہا، ”سینسر والدین اور مدبر لوگوں میں ہوتا ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ بچے ”گڈو“ اور ”جھڈو“ قسم کے نظریات سے محفوظ رہیں؟“

”گڈو اور جھڈو قسم کے نظریات؟“

”ہاں! گڈو قسم کے ناقص خیالات سات سال کی عمر کے بعد سیکھے جاتے ہیں اور انہیں بدلا جا سکتا ہے، تاہم جھڈو قسم کے فاتر العقل نظریات پانچ سال کی عمر سے پہلے سیکھے جاتے ہیں، ستم ظریفی یہ ہے کہ انہیں بدلا نہیں جا سکتا اور یہ زندگی کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں۔“

”میں اب یہ نکتہ سمجھ چکا ہوں، یعنی ہمارا تحت الشعور اس طرح کام کرتا ہے!“

انمول باپ نے کہا، ”شاباش! آپ بہت تیزی سے سیکھتے ہیں۔“

”ہم جو کچھ سوچتے ہیں، وہی بن جاتے ہیں!“

مقصود نے کہا، ”ہم اپنی خواہشات، تمناؤں اور اہداف کو بار بار دہرا سکتے ہیں اور باتوں کے تحت الشعور میں بٹھانے کا آسان طریقہ ہے..... یوں ہم اپنے ارادوں اور اہداف پر یقین کرنے لگتے ہیں....... اور ہمارا طرزِ عمل کارآمد سانچے میں ڈھل جاتا ہے، جیسے پھول کھلتے ہیں اور چشمے بہتے ہیں، یہ ایک فطری انداز ہے۔“

راشد نے کہا، ”کیا بات ہے آپ کی، آپ نے بہت اچھی وضاحت کی!“

مقصود نے پریشانی سے کہا، ”مجھے تشویش ہے پانچ سال کی عمر سے پہلے بچوں کے ذہن کو کس قدر مفلوج اور منجمد کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی والدین کے ہاتھوں۔“

راشد نے کہا، ”یہ والدین کے لئے لمحہ فکریہ ہے! وہ پانچ سال سے کم عمر میں صرف مصدقہ اور سائنسی اصول ہی بچوں کے ذہن میں ڈالیں اور وہ باتیں جن کی تصدیق نہیں کی جا سکتی وہ بلوغت کے بعد ان کی صوابدید پر چھوڑ دی جائیں۔“

راشد نے کہا، ”ہاں! یہ انسانوں کے ساتھ ہونے والا مسلسل فساد ہے جو ناقص باتیں انہوں نے پانچ سال کی عمر سے پہلے سیکھی ہوتی ہے وہ تیس سال کی عمر میں اپنے بچوں کے ذہن میں من و عن ڈال دیتے ہیں جو عمر میں پانچ سال سے کم ہوتے ہیں۔“

مقصود نے کہا، ”کیا ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے؟“

راشد نے مسکراتے ہوئے کہا، ”خوش قسمتی سے ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، سمجھدار لوگ اب بچوں کے ذہن کو بوجھل نہیں بناتے۔ اب آپ اپنی توجہ کا رخ ذرا اس جانب موڑ لیں، ”ہم جو کچھ سوچتے ہیں، وہی کچھ بن جاتے ہیں۔“

مقصود پریشان نظر آنے لگے۔

”جس قدر ہدف کو دہراتے ہیں اسی قدر جوش بڑھتا ہے!“

راشد نے کہا، ”یہ بات بہت اہم ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کبھی میں اپنے گھر میں زیادہ کامیاب نہیں تھا۔ کیا آپ اس کی کوئی معقول وجہ بتا سکتے ہیں؟“

مقصود نے اندازہ لگایا، ”اس کا تعلق گول سیٹنگ سے ہو سکتا ہے، آپ کی گھریلو زندگی اس لئے خراب تھی کیونکہ اسے اچھا بنانا ہدف نہ تھا۔“

راشد نے جواب میں کہا، ”حیرت انگیز طور پر ایسا ہی ہے۔ اب میں اس ہدف کو عزیز از جان رکھتا ہوں، میں جس قدر زیادہ اپنی نظر اس ہدف پر رکھتا ہوں، اس کی خواہش بڑھتی جا رہی ہے، میں اسے ”ایڈورٹائزنگ کا اصول“ کہتا ہوں۔“

مقصود نے پوچھا، ”اور وہ کیا ہے؟“

راشد ہنسنے لگے، ”ہم ٹی وی پر جن مصنوعات کے اشتہار بار بار دیکھتے ہیں پھر کچھ عرصے بعد ہم وہی چیزیں خریدتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔“

مقصود نے کہا، ”میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں، لوگوں کو اسی طرح اُلو بنایا جاتا ہے؟

راشد کہنے لگے، ”یہ تو کچھ زیادہ ہو گیا! عام طور پر شعور کڑی نگاہ رکھتا ہے۔“

”کامیابی کا یقین ہو تو امکانات بڑھ جاتے ہیں!“

مقصود نے کہا، ”شکر ہے یہ زبردست نظام موجود ہے ورنہ تو لوگوں کو بے وقوف بنانا بہت آسان ہوتا، تاہم اب بھی لوگ بیوقوف بنتے ہیں، بنانے والا چاہیے۔“
انمول باپ نے کہا، ”یہی تو اصل نکتہ ہے۔ ہمیں ہر وقت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تحت الشعور پوری قوت سے ہمارے طرزِ عمل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بات کے لئے بھی۔ شاہد آفریدی انٹرویو میں کہہ رہے تھے، ”میں بڑے بڑے کھلاڑیوں کو خوفزدہ کر دیتا ہوں، حتیٰ کہ وہ بولنگ کرنا بھول جاتے ہیں۔“
مقصود نے کہا، ”دراصل وہ خود کو باور کراتے ہیں کہ وہ بہترین کھلاڑی ہیں۔“
انمول باپ نے کہا، ”یقیناً، یہی بات ہے، پھر دیکھا اگلے دن وہ کیسے کھیلے؟“
مقصود سر کھجاتے ہوئے بولے، سر! تھانے میں سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی!“
راشد نے کہا، ”انہوں نے 37 گیندوں پر 100 رنز بنا ڈالے، ہر بولر کے چھکے چھڑا دیئے، اگر آپ کو کامیابی کا یقین ہو تو امکانات بڑھ جاتے ہیں۔“
انمول باپ نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا، ”ہر ہفتے کی صبح ہمارے گھر میں اجلاس ہوتا ہے، میرے بچے آپ سے مل کر خوش ہوں گے“، مقصود انمول باپ کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔

”کیا بچوں کو رنگے ہاتھوں پکڑنا ضروری ہے؟“

بچوں نے یہ اجلاس مہارت سے منعقد کیا۔مقصود یہ دیکھ کر حیران رہ گئے بچوں نے اپنے انفرادی اور مجموعی اہداف کا جائزہ لیا۔ایک دوسرے کو شاباش دی گلہ شکوہ کیا،تنبیہہ اور نظر ثانی کے لئے بھی کہا۔ان کا انداز شائستہ اور نفیس تھا۔ساتھ ساتھ ہنسی مذاق بھی چل رہا تھا۔یہ پانچوں بچے اپنی ذمہ داریوں کا تعین خود ہی کر رہے تھے اور انہیں پے در پے کامیابیاں بھی مل رہی تھیں۔

اجلاس کے اختتام پر بلال کہنے لگے،”آپ جانتے ہیں ہمارا ایک مقصد ایک دوسرے کا خیال رکھنا بھی ہے؟ میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ بہت سے بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات ہوتے ہیں۔ہمارے کچھ بہن بھائی چھوٹے ہیں،کیوں نہ ہم ان حادثوں سے بچنے کیلئے ٹریننگ کا اہتمام کریں؟ ولنگ ویز گروپ ٹریننگ مہیا کرتا ہے۔“

وسیم بولے،”کیوں نہ ہم اپنے چچیرے بہن بھائیوں کو بھی شامل کر لیں؟“

فاطمہ بھائی کے گلے لگ کر بولی،”بھائی،آپ کو میرا کتنا خیال ہے؟“

سب بچوں نے مل کر واہ واہ اور شاباش کے نعرے لگائے۔اجلاس ختم ہو جانے کے بعد بچے ولنگ ویز میں رابطہ کرنے لگے۔

”یہ تو کمال کا منظر ہے“،مقصود کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

انمول باپ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا،”میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا،پھر یہ ہوا کہ میں نے اپنے بچوں پر نظر رکھنا شروع کر دی۔“

”بچوں میں عزت نفس بڑھائیں,انمول احساس جگائیں!“

”نظر رکھنا شروع کر دی؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟“ مقصود کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
راشد کہنے لگے، ”دراصل میں انہیں رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا تھا!“
”رنگے ہاتھوں؟“ مقصود بولے
راشد نے جواب دیا، ”میرے بچے جب غلطی یا کوتاہی کرتے، وعدہ پورا نہ کرتے، آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے تو میں نظر ثانی کے لئے کہتا، اچھا رویہ اختیار کرتے تو میرے کان پر جوں تک نہ رینگتی! تو میں نے فیصلہ کیا اور ان کی تاک میں رہنے لگا کہ وہ کب کوئی اچھا کام کرتے ہیں؟“
مقصود مسکرائے اور کہنے لگے، ”میں نے آپ کے برآمدے میں ایک کارٹون بھی دیکھ رکھا ہے جس میں ایک بچہ آنکھوں میں آنسو بھرے کونے میں کھڑا ہے۔ اس کی پنچ لائن یہ ہے: جب میں نے ایک اچھا کام کیا ہے تو مجھے اچھی جگہ کیوں نہیں دی گئی؟“
یہ سن کر راشد ہنسنے لگے، ”یہ میرے دوست کارٹونسٹ شوکت محمود میکسم نے بنایا ہے۔
مقصود گویا ہوئے، ”اب آپ ذرا میرے حالات چیک کریں! میرے بچے کبھی کبھار ہی کوئی اچھا کام کر گزرتے ہیں لیکن میں ہمیشہ ہی نظر انداز کر دیتا ہوں۔“
راشد نے کہا، ”آئندہ آپ بھی تعریف اور شاباش ان کے ناشتے میں شامل کر دیں۔ بچوں میں انمول احساس جگانے کے لئے عزت نفس کو بڑھاوا دیں“، کیوں نہ انہیں روزانہ یاد دلائیں، ”شاباش آپ کر سکتے ہو!“ مقصود نے لقمہ دیا۔
راشد نے کہا، ”اپنے بچوں کو آگے بڑھانے کیلئے شاباش کی سازش بھی کرنا پڑتی ہے!“

”بچوں کو آگے بڑھانے کیلئے شاباش کی سازش کریں!“

”شاباش کی سازش؟“ مقصود کے پلے کچھ نہ پڑا۔

راشد نے کہا، ”میں آپ کو ایک سچی کہانی سناتا ہوں۔ ایک باپ نے ایسے حالات اور ماحول پیدا کر دیا کہ ان کا چھوٹا بیٹا پُر اعتماد ہو گیا، حالانکہ اُس کی کارکردگی پہلے واجبی سی تھی۔“

مقصود نے قہقہہ لگایا اور کہا، ”بچہ جمہورا سچ مچ کامیاب ہو گیا ہو گا؟“

راشد نے جواب دیا، ”اس میں کیا شک ہے!“

مقصود نے کہا، ”باپ نے یہ کامیابی کیسے حاصل کی؟“

انمول باپ نے جواب دیا، ”انہوں نے اپنے بیٹے کو نشانہ لگانا سکھایا۔ ان کی گلی میں ایک پٹھان تختے پر غبارے سجا کر آیا کرتا تھا اور بچوں کو نشانہ لگانے کی دعوت دیتا تھا، بہت سے ماں باپ بچوں کو نشانہ لگانے کا موقع دیتے تھے، لیکن انہوں نے یہ کام ذرا مختلف انداز میں کیا۔ پٹھان کے پاس ایک چَھرے والی بندوق تھی جس سے ہر بچے کو پیسے خرچ کر کے نشانہ لگانے کا موقع ملتا تھا۔ اگر نشانہ کامیاب ہوتا تو بچے کو اگلا نشانہ فری میں ملتا، شرط یہ تھی کہ چَھرا اُسی غبارے کو لگے جسے نشانے کیلئے منتخب کیا جائے۔ آپ یہ سُن کر حیران ہوں گے کہ اُس باپ نے پٹھان سے ”سازباز“ کر لی کہ بورڈ غباروں سے بھرا ہو گا اور لڑکا کوئی بھی غبارا پھاڑ دے تو خوشی کے شادیانے بجائے جائیں گے اور اُسے اگلا نشانہ فری میں لگانے کا موقع مِلے گا۔“

مقصود نے پوچھا، ”اس نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سراسر دھوکہ دہی کی واردات ہے!“

” کامیابی اور مزے کیلئے بچوں کو آسان گول دیں!“

’’میں آپ کو ایک سوال کے ذریعے جواب دوں گا۔لڑکا تو ابھی سیکھ رہا تھا اور اس کی عمر ابھی صرف 5 سال ہے تو پھر اس بچے کا نشانہ کیسا ہوگا؟‘‘
مقصود مسکرائے، ’’مجھے تو یہ خدشہ ہے کہیں وہ سامنے کے گھر کی کھڑکی کا شیشہ نہ پھوڑ دے!‘‘
’’ایسا ہی ہونے والا تھا، انہوں نے پیشگی بندوبست کیا کہ بچہ جب بھی نشانہ لگائے ٹھاہ کر کے آواز آئے اور محلے کے تماشائی بچے اور کھڑکیوں میں اُن کی مائیں تالیاں بجائیں۔ جلد ہی بچے نے نشانے کیلئے غبارے چننا شروع کر دیئے اور ٹھاہ ٹھاہ کی آوازیں تسلسل سے آتی رہیں۔‘‘
مقصود ہنسے اور بولے، ’’بہت ہی شاندار!‘‘، انہوں نے کہا، ’’اس بچے کا پھر کیا بنا؟‘‘
’’یہ بچہ کہیں بھی نشانہ لگاتا اور ہر دفعہ جیت جاتا‘‘، راشد نے اپنی بات جاری رکھی، ’’جب یہ بچہ بڑا ہوا تو کس قدر کامیاب ہوا ہوگا؟‘‘
مقصود نے کہا، ’’یہ تو اظہر من شمس ہے!‘‘
راشد بولے، ’’میری اردو جواب دے گئی ہے، لیکن یہ بچہ آپ کے سامنے بیٹھا ہے!‘‘
مقصود نے حیرت سے راشد کی طرف دیکھا، جیسے انہوں نے موسم بدل دیا ہو۔
مقصود کہنے لگے، ’’آپ کے والد نے آسان گول ڈیزائن کئے تا کہ آپ تعریف اور کامیابی کا مزہ چکھتے رہیں۔ یہ مزیدار کام ہے لیکن میں نے اپنے بچوں کے لئے ایسا کبھی نہیں سوچا کیونکہ ان میں ذہانت نہیں ہے اور وہ عقل سے پیدل ہیں۔‘‘

”بگڑے بچوں میں ذہانت کی نہیں عقل کی کمی ہوتی ہے!“

انمول باپ نے جواب دیا،”بچوں میں موروثی صلاحیتیں کم یا زیادہ ہوسکتی ہیں لیکن ایک والد کا کام صرف اتنا ہے کہ جو کچھ بھی بچے کے خمیر میں ہے اُسے اُبھارنے کیلئے ٹھنڈی آنچ دے۔ بچے اپنے خمیر کے مطابق کارکردگی دکھاتے ہیں لیکن عزتِ نفس اور خوداعتمادی کا کردار نمایاں ہے۔“

مقصود نے کہا،”یہ بات سچ ہے لیکن میرے بچوں کی تو کوئی کُل سیدھی نہیں!“

راشد نے کہا،”غصہ جانے دیں، ایک حاضر سروس تھانیدار کو آگے لگایا ہوا ہے اور ابھی ان میں ذہانت کی کمی ہے! اکثر والدین ایسا.....“

مقصود نے بات کاٹتے ہوئے کہا،”ہم دونوں میاں بیوی یہی سمجھتے ہیں۔ ہمارے بچے رَج کے بگڑے ہوئے ہیں، خاص طور پر بڑے والا تو کتے کی وہ دم ہے جسے بارہ سال بھی نلکی میں رکھا جائے تو سیدھی نہیں ہوسکتی۔“

”استغفراللہ!“ انمول باپ کانپ اُٹھے، ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟

مقصود بولے،”میں اپنی ان باتوں پر شرمندہ ہوں، مجھے معاف کردیں، ہم انہیں ادھیڑ کر بُننے کی کوشش کرتے رہے، اور ناکامی پر کچا دھواں چھوڑتے ہیں۔“

راشد بولے،”میں آپ کی صورتحال سمجھتا ہوں، یہ ہر باپ کے لئے پریشان کُن ہے۔“

مقصود نے اچانک کچھ سمجھتے ہوئے کہا،”یہی وجہ ہے کہ بچوں کے لئے تعریف اور شاباشی بہت کارآمد ثابت ہوتی ہے، اس کے ذریعے ان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، وہ درست فیصلے کرسکتے ہیں اور زندگی خوشحال بناسکتے ہیں۔“

"ایک دوسرے سے سیکھیں، سیکھنے کا بہترین طریقہ سکھانا ہے!"

مقصود نے کہا،" آپ کس قدر مہربان ہیں، بس آپ مجھے اپنا شاگرد بنا لیجئے۔"

راشد بولے،"ہم سب ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں، اور سیکھنے کا بہترین طریقہ سکھانا ہے"، انہوں نے اپنی بات جاری رکھی، میں چاہتا ہوں آپ کے بچے اچھے فیصلے کریں، محض اس لئے نہیں کہ انہیں ایسا کرنا چاہیے بلکہ اس لئے کہ ایسا کرنا ان کے اپنے مفاد میں ہے، آپ کا کام ان کی راہنمائی اور حوصلہ افزائی ہے۔"

مقصود نے کہا،" جو تبرک آپ سے ملے گا بچوں تک پہنچا دوں گا۔"

انمول باپ نے کہا،" میرے ایک دوست نے ایک عجب بچے کی غضب کہانی سنائی، اس بچے کو مہندی کی ایک تقریب میں ڈھولک بجانے کیلئے کہا گیا، وہ آگے بڑھا اور زور وشور سے ڈھولک بجانی شروع کر دی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ڈھولک سے برآمد ہونے والی خوفناک آوازوں کے باعث دو خواتین بے ہوش ہو گئیں، ایٹمی دھماکے جاری رہے ایک پالتو بلی اور پپی پلنگ کے نیچے گھسنے کے بعد صوتی اثرات سے دم توڑ گئے۔ جب معاملہ برداشت سے باہر ہو گیا تو ۲ نوجوانوں نے اُس کے جوش وخروش کے آگے بند باندھنے کیلئے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا اور پوچھا کہ اگر آپ کو ڈھولک بجانا نہیں آتا تھا تو بتایا کیوں نہیں؟ لڑکے نے جھٹ سے جواب دیا،" مجھے کیسے معلوم ہوتا کہ میں ڈھولک نہیں بجا سکتا، میں نے تو پہلے کبھی ڈھولک بجائی ہی نہیں!" مقصود مسکرا دیئے۔

انمول باپ نے اپنی بات جاری رکھی، ''بہت سال پہلے ممکن ہے میں بھی وہی کرتا، جو اس لڑکے نے کیا، پر اب میں تدبیر کی قید میں ہوں اور میرے بال بھی سفید ہو چکے ہیں، اکثر لوگ گمان رکھتے ہیں کہ میں بہت سنجیدہ اور متین ہوں، تاہم اگر بچپن لوٹ آئے تو میں ناکامی سے ہرگز نہ ڈروں...... اس طرح ڈھولک بجانے سے بالکل نہ گھبراؤں''، راشد ایک لمحے کے لئے سوچ میں گم ہو گئے، پھر کہنے لگے، ''میں واقعی یہی چاہتا ہوں کہ میرے بچے بھی ایسے ہی دل جگرہ پیدا کریں۔''

مقصود کہنے لگے، ''جہاں تک میں سمجھا ہوں، آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ والدین کو ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیے کہ ان کے بچے کامیابی کے ''جنون'' میں مبتلا ہو جائیں۔ اگر وہ کامیابی کا پیشگی تصور نہ کر پائیں تو والدین انمول گول سیٹنگ اور شاباش کو آزمائیں۔''

انمول باپ نے کہا، ''آپ میں زبردست صلاحیت ہے۔ آپ اپنے خیالات واضح طور پر بیان کر سکتے ہیں۔ اب میں آپ کو ایک اور عملی نکتہ بتاتا ہوں۔ میں نے سیکھا ہے کہ اگر میں اپنے بچوں کو انمول نظر ثانی کیلئے کہوں تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں انمول گول سیٹنگ پر بھرپور توجہ دوں تاکہ انمول شاباش کا موقع ملے۔ یہ شاباش ہی ہے جس سے بچوں کے کانوں میں جلترنگ بجتے ہیں۔''

مقصود سوچ رہے تھے، بالآخر وہ کہنے لگے، ''آپ نے اپنے بچوں کے ساتھ انمول طریقوں سے جو کچھ سیکھا ہے، اس سے مجھے ''ہوا اور سورج'' کی کہانی یاد آتی ہے۔''

انمول باپ نے پوچھا، ''کونسی کہانی؟''

”بچوں کی تربیت فرض ہے مگر اپنی حدوں کو بھی پہچانیں!“

”سورج اور ہوا کے درمیان بحث چل رہی تھی کہ ان میں سے طاقتور کون ہے۔ ہوا شیخی بگھار رہی تھی کہ وہ اس دنیا میں سب سے بڑی قوت ہے، میں آندھی میں بدل جاؤں تو درخت اپنی جڑوں سے اکھڑ جاتے ہیں اور شہروں کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں۔ ہوا نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ سمندر میں بحری جہازوں کو اچھال کر پٹخ سکتی ہے۔“ سورج نے کہا،”شاید یہی بات ہو!“
ہوا، خوشی سے پھول کر کپا ہو گئی۔ اس نے کہا،”بے شک میں بہت ہی طاقتور ہوں اور میں اپنی طاقت ثابت کر کے رہوں گی۔ آؤ ہم دونوں مقابلہ کرتے ہیں“، سورج آمادہ ہو گیا۔
ہوا کہنے لگی،”نیچے سڑک پر اس بوڑھے شخص کو دیکھو! میں جلد ہی اس کی ٹوپی اور دُھسہ اُڑا کر رکھ دوں گی، ذرا دیکھو میرا کمال!“
ہوا نے چلنا شروع کیا، جب ہوا تیزی کے ساتھ ان کی طرف آئی تو بوڑھے آدمی کی ٹوپی ان کے سر سے اُڑ گئی، ہوا مزید تیز ہو گئی۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپ گیا۔ بوڑھے آدمی نے اپنا دُھسہ سختی سے اپنے گرد لپیٹ لیا، ہوا جس قدر زیادہ تیز چلتی، وہ اپنا دُھسہ اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیتے۔ ہوا 10 منٹ تک نہایت تیزی سے چلتی رہی۔ بالآخر ہوا نے شکست مان لی۔
پھر سورج، بادلوں کی اوٹ سے نکلا۔ بوڑھے شخص کو گرمی محسوس ہونے لگی، انہوں نے فوراً سورج کی طرف دیکھا اور اپنی آنکھیں جھپکائیں۔ سورج کی گرمی مزید تیز ہو گئی۔ پانچ منٹ کے اندر اندر اس بوڑھے شخص کو سورج کی تمازت سے پسینہ آ گیا، انہوں نے اپنا دُھسہ اُتار پھینکا اور سورج کی گرمی سے بچنے کے لئے ٹوپی سر پر رکھ لی۔“

”بچے غلطی کرتے ہیں تو باپ غصہ یہ بھی تو غلطی ہے!“

مقصود نے کہا، ”بالکل درست!“ وہ طنزیہ ہنسی ہنسے اور کہنے لگے، ”صرف دس منٹ میں نتیجہ سامنے آ گیا۔“

انمول باپ نے کہا، ”مجھے یہ کہانی بہت پسند ہے کہ کس طرح مختصر وقت میں اچھے نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں لیکن اپنی حدوں کو پہچاننا بھی ضروری ہے۔“

مقصود نے کہا، ”بچے پریشان ہی اس قدر کرتے ہیں، تنگ آمد بجنگ آمد، پھر ماں باپ بھی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔“

انمول باپ نے جواب دیا، ”یقیناً! ایسا ہی ہوتا ہے“، انمول باپ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا، ”درحقیقت یہ کہانی مجھے اپنے بچوں پر گرجنا برسنا یاد دلاتی ہے، میں انہیں بتاتا رہتا تھا کہ اس گھر میں صرف میں ہی مغلِ اعظم ہوں۔“

مقصود نے کہا، ”میں آپ کی یہ بات نہیں سمجھ سکا، آپ کہہ رہے تھے کہ پہلے آپ بھی بچوں کے ساتھ جوڈو کراٹے کرتے رہے ہیں، میں نے تو غصہ کرنے کا الٹا ہی اثر دیکھا ہے! مہربانی کر کے آپ مجھے بتائیے کہ انمول نظرِ ثانی کی اپیل کیسے فائدہ پہنچاتی ہے؟“

☆☆☆

”مصیبت میں کچھ کھونے کا نہیں پانے کا سوچیں!“

انمول باپ نے کہا، ”انمول نظرِ ثانی کی اپیل اس لئے مفید ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس طرح بچوں کی کئی ضرورتیں ایک ساتھ پوری ہوتی ہیں، جیسے کہ نظم وضبط، محبت اور احترام۔ بچوں کی پیدا کردہ مصیبتیں اُبھر کر سامنے آتی ہی رہتی ہیں اور ایسا اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم بدقسمت ہیں، یہ قدرت کا ڈیزائن ہے، درختوں میں مضبوطی طوفانی ہواؤں کا سامنا کرنے سے آتی ہے، زرخیز زمین سے نہیں۔ جب بچے کوئی مصیبت کھڑی کرتے ہیں تو میں شکایت نہیں کرتا، میں اپنے آپ سے کچھ سوال کرتا ہوں، مصیبت میں کچھ کھونے کا نہیں پانے کا سوچتا ہوں، میں اپنی زندگی میں اس اصول کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔“

”راشد نے بات جاری رکھی، ”ماضی میں اپنے بچوں پر دیسی طریقہ آزمایا حالات بگڑ گئے۔“

مقصود نے کہا، ”میرے گھر میں ابھی یہی صورت حال ہے میں حالات کو ہرگز جوں کا توں رکھنا نہیں چاہتا، مشکل یہ ہے کہ میرے بچے الٹا مجھ سے ناراض ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ان پر بہت ظلم کر رہا ہوں۔“

انمول باپ نے کہا، ”جو دیسی طریقے آپ استعمال کر رہے ہیں وہ انہیں پسند نہیں ہیں، آپ کی کہانی مجھے اپنی داستان لگ رہی ہے! میں نے بھی چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھایا، اور بچوں کو زمین پر رگڑ رگڑ کر سزائیں دیں۔“

مقصود نے کہا، ”اور پھر بھی آپ کو کوئی کامیابی نہ ملی؟“

”بچوں کواُن کے کئے کے نتائج بھی بھگت لینے دیں!“

”نہیں، صورت حال مزید بگڑ گئی۔ دھکے کا جواب تو دھکا ہی ہوتا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ تلخ کلامی کی جائے، بُرا بھلا کہا جائے اور تحقیر کی جائے۔ نظر ثانی کی اپیل میں بچوں کو احساس ہو جاتا ہے کہ ان کا رویہ بُرا ہے لیکن انہیں یہ بھی پتا چل جاتا ہے کہ ان کی ذات میں کوئی نقص نہیں ہے اور وہ میرا قیمتی اثاثہ ہیں۔“ انمول باپ نے بات جاری رکھی، ”بچوں کیلئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ صرف ان کے بُرے رویئے کے باعث ہی انہیں تنبیہہ اور سرزنش کی جاتی ہے، تاہم یہ میری ذمہ داری ہے وہ غلطی کو مان لیں لیکن اپنی شخصیت کے بارے اُن کا مان نہ ٹوٹے، وہ اپنی عزت کو بدستور محسوس کرتے رہیں اور پُر اعتماد رہیں۔“

پھر مقصود کے کانوں میں شور کی آواز سنائی دی، بچے واپس آ گئے تھے، فاطمہ راشد کے پاس آئی اور کہنے لگی، ”ابو جی! کیا میں گھر سے باہر صحن میں کھیل سکتی ہوں؟“

انمول باپ نے جواب دیا، ”میری پیاری بچی، ایسا مت کرو، باہر زمین گیلی ہے، ذرا سوچ لو کہیں پھسل تو نہیں جاؤ گی؟“

”نہیں ابو جی! میں کوئی بچی ہوں؟“ 7 سالہ فاطمہ جواب سنے بغیر بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔

مقصود نے کہا، ”آپ چاہتے ہیں بچے بھی اپنے کئے کے نتائج بھگت لیں؟“

”محبت کے ساتھ ڈسپلن انمول تحفہ بن جاتا ہے!“

”کبھی کبھی انہیں وہ کام کرنے دینا چاہیے جو وہ کرنے پر تلے ہیں اور جس میں رِسک نہ ہو۔ نظرثانی کی اپیل تب کارگر ہوتی ہے جب بچوں کو اپنے خراب رویوں سے تکلیف کا سامنا ہو، آپ اُس تکلیف کو تیزی سے مٹانے کی کوشش نہ کریں بلکہ انہیں حقیقت کو سمجھنے کیلئے کچھ وقت دیں۔ ماہرین کے مطابق تنہا نظم و ضبط کام نہیں کرتا، اس کے ساتھ یہ آگاہی بھی ضروری ہے کہ انسان غلطی کرسکتا ہے لیکن اُس کی ذات غلط نہیں، وہ اشرف ہے۔ نظم وضبط شروع میں اچھا نہیں لگتا، جب تک کہ اس کے فوائد سامنے نہ آئیں۔ اور یہ تربیتی عمل کا لازمی جزو ہے، آگاہی سے مِل کر یہ اور بھی مفید ہو جاتا ہے۔“

مقصود نے کہا، ”میں نے اس تربیت کو اذیت ناک بنا دیا“، وہ ہنسنے لگے اور پھر کہا، ”کم از کم اس فن میں، میں نے مہارت حاصل کر لی ہے، میں بچوں کو کبھی ہاف فرائی اور کبھی فل فرائی کرتا تھا!“

انمول باپ نے بھی قہقہہ لگایا اور کہا، ”آپ نے انمول باپ بننے کا آغاز کر دیا ہے۔“

مقصود نے پوچھا، ”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

انمول باپ نے جواب دیا، ”آپ نے اب اپنی غلطیوں پر ہنسنا سیکھ لیا ہے۔ یوں والدین کے سر سے بوجھ ہٹ جاتا ہے۔ انمول نظرثانی کی اپیل آخر کیوں موثر ہوتی ہے؟ اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں تو آپ صحیح آدمی کے سامنے بیٹھے ہیں۔ جو محبت کے ساتھ اپنے بچوں کو ایسے نظم وضبط کا پابند بناتا ہے، کہ اُن کیلئے انمول تحفہ بن جاتا ہے۔“

”بچہ وہ ہستی ہے جسے والدین خود سے آگے دیکھنا چاہتے ہیں!“

”یہاں بنیادی لفظ محبت ہے۔ بچوں کیلئے نظر ثانی کی اپیل تب ہوتی ہے جب وہ محبت سے لبریز ہو اور انہیں اپنے بہترین مفاد میں نظر آئے۔ میں نظر ثانی کی اپیل صرف ایک بُرے رویئے تک محدود رکھتا ہوں اور بچے کیلئے اپنی محبت لحہ بہ لحہ محسوس کرتا ہوں، حتیٰ کہ ایک منٹ گزر جائے۔ میں اپنے اس رویئے سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا، میں اپنے بچوں سے کہتا ہوں کہ ان کی ذات نہیں بلکہ ان کے رویئے سے ناراض ہوں۔ یہ ایک ایسا محبت آمیز نکتہ ہے جو انمول نظر ثانی کے منفی اثرات ختم کر دیتا ہے، پھر میں اپنی زبان روک لیتا ہوں گہرا سانس لیتا ہوں، ناراضی ختم کر کے پرسکون ہو جاتا ہوں، اور خود کو یاد دلاتا ہوں کہ میں بچے کی مدد کرنا چاہتا ہوں، میرا بچہ دنیا کا واحد انسان ہے جسے میں خود سے آگے جاتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے کاروبار اور جائیداد سے بھی محبت کرتا ہوں لیکن اگر اچھی قیمت ملے میں اپنی جائیداد بیچ سکتا ہوں، لیکن کسی قیمت پر اپنا بچہ نہیں بیچ سکتا، وہ انمول ہے۔“

مقصود نے لقمہ دیا، ”تو اس کا مطلب ہے بچوں کیلئے محبت میں لپٹی نظر ثانی کی اپیل ضروری ہے، حتیٰ کہ وہ اُسے باقاعدہ محسوس کر لیں۔“

انمول باپ نے اپنی بات جاری رکھی، ”انمول نظر ثانی کے دوسرے حصے میں اپنے بچوں کی ذات کو سلامت رکھتا ہوں اور اُن کے رویئے کی ملامت کرتا ہوں۔ کوئی وقت تھا جب میرے لئے یہ سب مشکل تھا، خصوصاً، جب میں غصے کی حالت میں ہوتا اور بچوں کو یہ بتاتا کہ انہوں نے غلطی کی ہے، اور پھر فوراً انہیں محبت کا یقین دلانے کی کوشش کرتا تو وہ سٹپٹا جاتے.......“

”بچوں کو گرنے پر انعام دیں، تو وہ گرتے رہیں گے۔“

انمول باپ کی بات درمیان ہی میں رہ گئی، اچانک رونے کی آواز آئی۔ باہر کھیلتے ہوئے چھوٹی بیٹی فاطمہ گر پڑی تھی۔ انمول باپ فوراً اُٹھے اور باہر دیکھنے لگے۔ فاطمہ آہستہ آہستہ اٹھ رہی تھی، اس کی کہنی پر خراشیں بھی آئیں لیکن وہ ٹھیک تھی۔ وہ بیٹھ گئے اور اپنی بیٹی کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ مقصود حیران تھے، ایسے لگ رہا تھا کہ راشد کو بیٹی کی پرواہی نہیں ہے۔ فاطمہ روتی روتی آئی، راشد کچھ بھی نہ بولے اور بیٹی کو رونے دیا۔ جب اس کا رونا بند ہو گیا تو پوچھا، ”آپ کیسی ہیں؟“

بیٹی نے جواب دیا، ”میری کہنی پر چوٹ لگی ہے، لیکن چوٹ زیادہ نہیں ہے۔“

باپ نے اپنی بیٹی کو نہ تو گلے لگایا اور نہ ہی اسے تسلی تشفی دی۔ صرف یہ کہا، فاطمہ! آپ کا گیلی زمین پر کھیلنے کا تجربہ کیسا رہا؟“

فاطمہ نے آہستہ سے کہا، ”میں گر پڑی! گیلی زمین کی وجہ سے ہی گری ہوں۔“

باپ نے پوچھا، ”کیا آپ دوبارہ ایسا کرو گی؟“ فاطمہ نیچے فرش پر دیکھ رہی تھی۔

پھر انمول باپ نے چمکتی آنکھوں سے بچی کو دیکھا اور بولے، ”اُمید ہے آپ دوبارہ ایسا نہیں کرو گی ہمیشہ کیچڑ پر نظر رکھو اور ستاروں پر بھی، یہ ضروری ہے۔“

ننھی فاطمہ مسکرانے لگی، اور پھر اس نے روتے روتے ہنسنا شروع کر دیا، ”ابو جی، نہیں، اب میں ایسا نہیں کروں گی۔“

”بہت خوب، آپ بہت ذہین ہو!“ پھر راشد نے بیٹی کو گلے لگایا اور وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

مقصود سوچ رہے تھے، ”راشد بہت سنگدل ہیں، انہیں چاہیے تھا تڑپتے ہوئے جاتے، بیٹی کو اُٹھا کر اپنے ساتھ چپکا لیتے!“

"کئی دفعہ اچھی چیز، بہترین کی دشمن ہوتی ہے!"

انمول باپ نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا، "خدا کا شکر ہے، وہ زیادہ زخمی نہیں ہوئی!"
اب مقصود اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگے، "صاف بات یہ ہے، کہ میں آپ کو بہت ہی سنگدل سمجھ رہا ہوں، آپ نے بچی کی لولو پو پو نہیں کی۔"
"یہ لولو پو پو کیا ہوتی ہے؟"
مقصود نے کہا، "آپ کو نہیں پتا ایسے موقعوں پر پچکارا جاتا ہے اور بے بی ٹاک کی جاتی ہے، "ہائے میرا بچہ ہائے میرا بچہ" کہا جاتا ہے۔"
انمول باپ نے کہا، "جن واقعات پر "لولو پو پو" کی جاتی ہے، سائنس کے مطابق وہ واقعات بڑھ جاتے ہیں"، انمول باپ نے بات جاری رکھی، "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، میں نے اس موقع پر بیٹی کے لاڈ نہیں اُٹھائے جیسے زیادہ تر لوگ اُٹھاتے ہیں، لیکن میں نے اس سے بھی اچھا کام کیا، میں نے ضبط اور حوصلے کا مظاہرہ کیا اور اسے سکھا دیا کہ اپنی حفاظت اور دیکھ بھال کیسے کی جاتی ہے؟ اگر میں لاڈ پیار کرتا تو فاطمہ کی زندگی میں ایسے واقعات بڑھ جاتے۔ انسانوں کو جن چیزوں پر لاڈ پیار یا انعام ملتا ہے، وہ چیزیں ان کی زندگی میں بکثرت نظر آنے لگتی ہیں، لاشعور اُن چیزوں کو یقینی بنانے لگتا ہے، جن کا انعام ملتا ہے۔ کئی دفعہ اچھی چیز بہترین کی دشمن ہوتی ہے۔ میں اپنے بچوں کیلئے ایک چیز چاہتا ہوں، اور وہ ہے "اچھی فیصلہ سازی۔"

”بچوں کو کہتے رہیں، جیتو یا ہارو ہمیں تم سے پیار ہے!“

پھر انمول باپ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا،”میں کوشش کرتا ہوں کہ میرے بچے اپنے تجربات سے بھی سیکھیں، لیکن طے شدہ چیزوں کے بارے میں تجربات سے گریز کریں۔ خوش قسمتی سے میں نے بھی اسی طرح سیکھا اور اپنی زندگی میں کامیابیاں حاصل کیں۔کوئی نیا تجربہ کرنے میں حرج نہیں لیکن نئے سرے سے پہیہ ایجاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں بچوں کو توازن سکھاتا ہوں، میرے بچے ہر وہ کام کرسکتے ہیں جس کے بارے وہ پراعتماد ہوں، تاہم مدد حاصل کرنا کمزوری نہیں بلکہ طاقت کی علامت ہے۔میں ان کے اچھے رویئے پر نظر رکھتا ہوں

اور تاک میں رہتا ہوں کہ جب موقع ملے میں اُن کو انمول شاباش دوں، ایسے موقعوں پر میں چپ سادھ نہیں لیتا۔“

مقصود نے کہا،”پاکستان نے اسی طرح اپنی کرکٹ ٹیم کو بہترین بنایا۔“

انمول باپ نے حیرانی کے عالم میں پوچھا،”آپ کا کیا مطلب ہے؟“

مقصود نے جواب دیا،”چونکہ پاکستانی کرکٹ بہت پسند کرتے ہیں، جب بھی ٹیم ہارتی ہے تو ہر طرف الارم بجنے لگتے ہیں، ویسے کہتے رہتے ہیں تم جیتو یا ہارو ہمیں تم سے پیار ہے۔“

انمول باپ نے جواب دیا،”یہ سچ ہے۔کرکٹ میں ورلڈ کپ جیتنا بہت بڑی بات ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم نے 92 کا ورلڈ کپ جیتا تو میں نے کس قدر اچھا محسوس کیا تھا؟ لیکن مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ اس کا انمول نظرثانی سے کیا تعلق ہے؟“

”علم ہونا اور عمل نہ کرنا، علم نہ ہونا ہے!“

مقصود نے وضاحت کرتے ہوئے کہا، ”کرکٹ میں کامیابی کا راز یہ تھا کہ کھیل کی نگرانی تقریباً مسلسل جاری رہتی ہے۔ جب بھی اس میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے، ایک ہنگامہ برپا ہوتا ہے تاہم کوئی کھلاڑی اچھا کھیلے یا ٹیم جیتے تو کوئی نظرانداز نہیں کرتا اور سب لوگ گُن گانے لگتے ہیں، آگے پیچھے ہم یہ گیت بھی گاتے ہیں کہ ”تم جیتو یا ہارو ہمیں تم سے پیار ہے۔“

انمول باپ نے کہا، ”شاید یہی وجہ ہے کہ ٹیم بھٹک کر ہمیشہ واپس آجاتی ہے۔“

مقصود نے کہا، ”بالکل درست! یہی وجہ تھی کہ اسے کبھی بھی کوئی بڑا مسئلہ پیش نہیں آیا، کیونکہ چھوٹے مسئلے کو فوراً اور باآسانی حل کرلیا جاتا ہے۔“

ایک جہاں دیدہ اور تجربہ کار بندے کے ساتھ مل بیٹھنے پر مقصود بہت لطف محسوس کررہے تھے۔

”انمول باپ اس وقت بالکل خاموش تھے، انہیں علم تھا کہ مقصود کچھ سوچ رہے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا، ”شاید آپ یہ غور کررہے ہیں کہ مسئلے کو فوری حل کرلیا جائے، آپ کو یاد ہے ہمارے درمیان پہلی ملاقات میں میں نے کیا کہا تھا؟ آپ پہلے ہی مسائل کا حل جانتے ہیں پر آپ اپنے علم کا استعمال نہیں کرپاتے۔“

مقصود نے کہا، ”میں مسائل کا حل جانتا ہوں، پھر بھی اپنے علم کو عمل کے سانچے میں نہیں ڈھال پاتا۔

انمول باپ نے کہا، ”علم ہونا اور عمل نہ کرنا، دراصل علم نہ ہونا ہے۔“

”جب آپ بات کر سکتے ہیں تو ہاتھا پائی کیوں؟“

انمول باپ نے اپنی بات جاری رکھی، ”صدیوں سے اکثر والدین اپنے بچوں کی بہترین پرورش کررہے تھے۔ والدین جبلی اور وجدانی طریقوں سے یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ وہ بچوں کو اپنی توقعات صاف صاف بتادیتے ہیں، وہ کبھی اپنے بچوں کی تعریف کرتے ہیں اور کبھی انہیں احساس دلا دیتے ہیں کہ کوتاہی اور لاپرواہی نا قابلِ قبول ہے۔ کبھی کبھی وہ بچوں کی مار پٹائی کرتے ہیں اور اس کی ترغیب اس طرح ملتی ہے کہ بچے اُن کی نسبت کافی چھوٹے سائز کے انسان ہوتے ہیں، جب بچے بڑے ہوجاتے ہیں تو والدین باز آجاتے ہیں، اب بچے باری لینے لگتے ہیں، کیونکہ بچوں میں جوانی کی وجہ سے زیادہ ’ہارس پاور‘ ہوتی ہے۔ کتنے دُکھ کی بات ہے؟ فریقین ہمیشہ سوچ سکتے ہیں اور بات کرسکتے ہیں تو ہاتھا پائی اور مار کٹائی اس قدر نزدیک کیوں پڑتی ہے؟“ ”میں تو بچوں کو درست انداز میں سوچنا سکھا دیتا ہوں،“ ”یہ بات اہم نہیں ہے کہ میں اپنے بچوں کے بارے میں کس انداز سے سوچتا ہوں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ بچے اپنے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔“

پھر انمول باپ نے دلچسپ سوالات پوچھے، ”اگر میرا ہر ایک بچہ خود کو پُر اعتماد اور قابل قدر سمجھے تو پھر کیا نتیجہ نکلے گا؟ اگر وہ ایک دوسرے کے ساتھ مہذب لفظوں میں رنج اور غصے کا اظہار کرئے اور دھینگا مشتی سے گریز کرئے تو کیا ہوگا؟ اس امر کا کس قدر امکان ہے کہ ایسا بچہ معاشرے کے لئے مسئلہ بن جائے گا؟ کیا ایسا بچہ بڑا ہوکر جرائم کرسکتا ہے؟ کیا وہ معاشرے کے ساتھ جنگ کرنا چاہے گا؟ کیا وہ کسی طریقے سے لوگوں کو پریشان کرئے گا؟“ مقصود نے جواب دیا، ”نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اندر امن وسکون کا زم زم بہتا رہے گا۔“

”بچے انمول سرمایہ ہیں، محبت سے تربیت کریں!“

انمول باپ نے جواب دیا، ”میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں، بہر حال، کیا آپ جانتے ہیں بہت سے والدین اپنے بچوں کے ساتھ کتنا بُرا سلوک کرتے ہیں؟“

مقصود نے کہا، ”میں نے والدین کو بہت عجیب اور مضحکہ خیز رویہ اپناتے دیکھا ہے۔ والدین کی اکثریت سپر مارکیٹوں میں سرعام بچوں پر چیختی، چلاتی اور دھاڑتی ہے۔“

انمول باپ نے کہا، ”بالکل درست! اکثر پڑھے لکھے اور فیشن ایبل لوگ بھی ایسے موقعوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ فرمائیے! ہمیں اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اگر آپ کسی مارکیٹ میں چل پھر رہے ہوں اور آپ کی آؤ بھگت 27 فٹ کا روبوٹ یا بھوت کرے تو آپ کیسا محسوس کریں گے؟ اگر وہ آپ کو بڑی بڑی دھمکیاں اور کلاسیکل گالیاں دے تو آپ کا کیا حال ہوگا؟ جب ہمارے سامنے ایک بے بس 3 سالہ چھوٹا بچہ موجود ہو، منہ اُٹھا کر ہماری طرف دیکھ رہا ہو اور اُسے ہماری غصیلی آواز اور دھمکیوں کا سامنا ہو تو اُس کے احساسات کیا ہوں گے؟ چلیں ایک اور منظر کشی کرتے ہیں، سپر مارکیٹ میں دو لوگ اونچی اونچی گالیوں سے ایک دوسرے کا سواگت کر رہے ہوں اور مار پٹائی کیلئے پر تول رہے ہوں تو ہم کیا کریں گے؟“

مقصود نے جواب دیا، ”مجھے یقین ہے میں اپنے بچوں کو فوراً باہر لے جاؤں گا۔“

”تشدد اور بے عزتی سے بچے باغی ہوجاتے ہیں!“

انمول باپ نے کہا،”اور جب ہم خود اپنے بچوں کے ساتھ یہی کچھ کرتے ہیں؟؟؟ مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنے بچوں کی اصلاح کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کا دیسی طریقہ اپنایا، میرا بڑا بیٹا اور میں کس قدر غصے میں رہتے تھے۔ میں نے اپنے سینے میں بہت سی نفرتیں اور کدورتیں پال رکھی تھیں، اور یہ سب ایک ہی لمحے میں باہر آ جایا کرتی تھیں۔ پھر جلد ہی میرے بیٹے نے یہی کچھ کرنا شروع کر دیا۔ایسے بچے بعد میں غصیلے ہوجاتے ہیں، جب ان میں تشدد اور جرائم کا رجحان نظر آتا ہے تو ہم حیران اور پریشان ہوجاتے ہیں۔“

مقصود کہنے لگے،”مجھے کوٹ لکھ پت جیل کا نگران جابر بٹ یاد آرہا ہے جس نے ٹیلی ویژن پر کہا تھا، جب بچوں سے امن وسکون کا حق چھین لیا جاتا ہے تو وہ بڑے ہوکر پر تشدد رویوں کے حامل اور جرائم پیشہ نشئی بن جاتے ہیں۔“

انمول باپ نے خاموشی اختیار کی، انہوں نے ابھی جو بات سنی تھی، وہ اس کے متعلق سوچ رہے تھے۔کوئی بھی یہ نہیں سوچتا خود اس کے بچے بگڑ سکتے ہیں لیکن........؟

مقصود نے اپنی بات جاری رکھی،”تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ بچوں کی اصلاح اور پرورش کے ولایتی طریقے بہت فائدہ مند ہیں۔ہمارے معاشرے میں تبدیلی رونما ہوسکتی ہے کیونکہ ہمارے بچے ناراض ہوں گے اور نہ ہی جرائم کی طرف راغب ہوں گے۔انمول طریقے اس لئے کارگر اور مفید ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ بچوں کو احساس ہوجاتا ہے کہ انہوں نے غلط اور بُرا رویہ اپنایا ہے لیکن وہ خود ہرگز بُرے نہیں ہیں۔“

”دانشمندی مومن کی گمشدہ متاع ہے!“

مقصود بولے،”ہم مغرب کی تقلید کیوں کریں؟ کیا ہمارا دماغ کام نہیں کرتا؟“
انمول باپ نے جواب دیا،” آپ کے گھر میں امریکن کچن ہے یا دیسی والا؟ ابھی بھی آپ جنگل پانی کرنے کھیتوں میں جاتے ہیں؟ یا آپ امریکن ٹوائیلٹ استعمال کرتے ہیں؟ اسمارٹ فون، ایئر کنڈیشنر، فریج کیا کیا گنواؤں؟ دیسی ولایتی کچھ نہیں ہوتا، بس ہم آخر کار وہی کرتے ہیں جس سے ہماری زندگی میں اُجالا اور نکھار آتا ہے۔“
مقصود کہنے لگے،”اب میں بچوں کی اصلاح کے یہ انمول طریقے استعمال کرنے کیلئے پوری طرح آمادہ ہوں۔ دانشمندی ہماری گمشدہ متاع ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ان طریقوں کی بدولت ہمارے گھر میں بدلاؤ آئے گا۔“
انمول باپ نے جواب دیا،”یقیناً! آپ کو وہی کرنے کی ضرورت ہے جو کارآمد ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ تینوں طریقے محض ایک چھوٹی سی کاروائی ہے جو بڑی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوگی۔ آپ بار بار محض ایک منٹ ہی خرچ کریں گے اور اُس کا نتیجہ ثمر بار ہوگا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے سنور جائیں، نکھر جائیں تو پھر یہ آفاقی قانون یاد رکھیں!“
مقصود نے پوچھا،”یہ قانون کیا ہے؟“
انمول باپ نے جواب دیا،”اپنے بچوں کے ساتھ وہی کریں جو اپنے لئے چاہتے ہیں۔“

”بچوں کے ساتھ وہی کریں جو اپنے لئے چاہتے ہیں!“

مقصود کہنے لگے، ”مجھے ان طریقوں کی افادیت کا راز پتا چل گیا ہے۔“

راشد نے پوچھا، ”اور آپ کے خیال میں وہ کیا ہے؟“

مقصود نے کہا، ”اگر ہم چاہتے ہیں کہ بچے ہماری بات پر کان دھریں تو انہیں اچھا احساس دینا ہوگا۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ سچی محبت کرنے والے احترام سے ہماری اصلاح کریں لیکن ہماری شخصیت کو ہرگز نشانہ نہ بنائیں۔“ اس دوران، مقصود شور سن کر بہت حیران ہوئے جیسے قریب سے کوئی چیز گزر رہی ہو.....

اچانک وسیم اندر داخل ہوا اور کہنے لگا، ”ابو جی! معافی چاہتا ہوں لیکن....

انمول باپ نے وسیم کو انتباہ کیا اور وہ ڈرون واپس کر دیا جو ان دونوں کے درمیان آ گرا تھا۔ وسیم ”شکریہ“ کہتا ہوا کمرے سے رخصت ہو گیا۔ پھر انمول باپ، اپنے ملاقاتی کی طرف مڑے اور کہنے لگے، آپ کو علم ہے میں اور آپ بہت حد تک اس ڈرون کی مانند ہیں۔“

مقصود نے پوچھا، ”کیسے؟“

انمول باپ کہنے لگے، ”ہم پرواز کرتے کرتے اچانک کہیں بھی جا گرتے ہیں! جب ہم غصے میں پاگل ہوتے ہیں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ غلطیاں کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن غلطیاں دُہرانے سے باز رہنا ہوگا۔“

”محبت قائم ہے تواظہار کا حوصلہ پیدا کریں!“

مقصود نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگے، ”مجھے نہیں معلوم، میں انمول باپ بن سکوں گا یا نہیں؟ کیونکہ میرے لئے مشکل ہے کہ جن بچوں سے میں محبت کرتا ہوں، ان کو غصہ دکھاؤں اور پھر انہیں کہوں، مجھے آپ سے پیار ہے، کچھ عجیب اور مصنوعی لگتا ہے۔“

انمول باپ ہنسے اور کہنے لگے، ”ویسے تو لوگ پٹائی کرنے کے بعد بھی محبت جتانے کا حوصلہ رکھتے ہیں! پتا نہیں احترام سے تنقید کے بعد یہ زیادہ مشکل کیوں ہو جاتا ہے؟ ہاں! اس میں کچھ اجنبیت ہو سکتی ہے جو ریہرسل کے بعد مہارت میں بدل جاتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے ہمیں پتا بھی نہیں چلتا اور ہم گاڑی کا گیئر بدلتے ہیں، بریک لگاتے ہیں یا پھر ایکسی لیٹر دیتے ہیں۔ گھر میں مصنوعی روشنیاں ہم قبول کرتے ہیں، مصنوعی طور پر ٹمپریچر اوپر نیچے کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، ایئرفون لگا کر باتیں کرنا عجیب نہیں لگتا، عجیب طریقے سے ہوائی سفر کرنا ہم قبول کرتے ہیں لیکن بچے کو یہ کہنا کہ تم نے فلاں کوتاہی کی لیکن مجھے تم سے پیار ہے ہمیں عجیب اور مصنوعی لگتا ہے۔“

انمول باپ نے اپنی یادوں کی بارات میں جھانکا اور کہا، ”میری بیوی ریحانہ فوت ہو گئی تھی۔ پانچ بچوں میں سے دو چھوٹے تھے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، تین بڑے بچوں کا رویہ میرے ساتھ بہت بُرا تھا اور وہ خود اپنی ذات کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں ان کی اصلاح کس طرح کروں؟“

مقصود کہنے لگے، ”پھر آپ نے کیا طریقہ اختیار کیا؟“

’’"انتظار کرو اور دیکھو"،ایک تکلیف دہ پالیسی ہے!‘‘

انمول باپ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی’’میں نے ڈاکٹر صداقت علی سے رابطہ کیا۔میری جگہ ہوتے تو آپ کیا کرتے؟‘‘

مقصود کہنے لگے،’’حالات کو جوں کا توں رہنے دیتا یا حالات میں تبدیلی لانے کے نئے سے نئے طریقے ڈھونڈتا۔‘‘

انمول باپ نے کہا،’’کیا پہلے طریقے سے کامیابی مل سکتی تھی؟‘‘

مقصود ہنسنے لگے،’’نہیں،انتظار کرو اور دیکھو کی پالیسی تکلیف دہ ہے! پھر میں وہ کرتا جو میں نے کیا،آپ کو تلاش کرلیا۔اب میں ان طریقوں کو آزمانے کیلئے پوری طرح تیار ہوں۔‘‘

انمول باپ نے جواب دیا،’’ہر قسم کا دباؤ اور پریشانی دور کرلیں،ہر کام کو زور لگا کر نہ کریں۔ غلطیوں کے متعلق فکرمند نہ ہوں،غلطیاں تو انسان سے ہوسکتی ہیں،اہم بات یہ ہے کہ آپ وہ کام کریں جس کے متعلق آپ کو علم ہو کہ وہ موثر ہوگا۔مدد کیلئے معالج سے رابطہ کرنا،سمجھداری کی نشانی ہے۔‘‘

مقصود اُٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے انمول باپ سے ہاتھ ملایا۔ان کا شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے گُرو کو پیش رفت سے آگاہ کرتے رہیں گے۔راشد مسکرا دیئے۔

”رویئے پر بات کریں، شخصیت کو نشانہ مت بنائیں!“

مقصود گھر پہنچے تو شام ہونے کو تھی، ان کی بیوی نے پوچھا، ”جانو! کچھ معلوم ہوا؟“
مقصود مسکرائے اور کہنے لگے، ”آپ کو یقین نہیں آئے گا، معلومات کا ایک جہان آباد ہے۔ انہوں نے بچوں کی دیکھ بھال اور اصلاح کو تین انمول طریقوں میں تقسیم کر دیا ہے، جن کے ذریعے بچوں کو یہ احساس دلایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے غلط رویہ اپنایا ہے جس کی درستی ہونی چاہیے، ساتھ ہی لازم ہے کہ بچوں کی شخصیت پر کیچڑ نہیں اچھالنا، یہ طریقے نہایت ہی سادہ لیکن کارگر اور مفید ہیں۔“
حاجرہ مسکرانے لگی اور کہا، ”اللہ کرے! ایسا ہی ہو! اگر ہم نے ان طریقوں کے ذریعے اپنے بچوں کے رویوں میں اصلاح کرنی ہے تو کیا کرنا ہوگا؟“
سبز چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے دونوں میاں بیوی رات گئے تک بات چیت کرتے رہے۔ مقصود سوچ رہے تھے بظاہر یہ تمام طریقے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں میاں بیوی اپنے متعلق بھی گفتگو کرتے رہے، انہیں اپنے اندر رومانوی جذبات اُبھرتے محسوس ہوئے۔ ابھی ان کے ذہن میں یہ بات واضح نہ تھی کہ ان طریقوں کا آغاز کیسے کیا جائے، جلد ہی وہ قربت کے لمحات میں کھو گئے۔

”وقت کی انمول سرمایہ کاری ــــ ایک منٹ دن میں کئی بار!“

ناشتے کی میز پر حاجرہ کہنے لگی، ”ان تمام تجاویز میں مجھے ایک بڑا مسئلہ نظر آرہا ہے، مجھے لگتا ہے کہ ماں باپ کو اپنے بچوں کے ساتھ زیادہ وقت صرف کرنا چاہیے۔“

مقصود نے کہا، ”انمول باپ سے تبادلہ خیالات کے بعد مجھے لگتا ہے انمول طریقے پر چلنا ہوگا جس میں فقط ایک منٹ لگتا ہے تاہم اس ایک منٹ کی سرمایہ کاری دن میں کئی بار کرنا ہو گی۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہتا ہوں۔“

حاجرہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور کہنے لگی، ”اس صورت میں مجھے منظور ہے“، پھر اس نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا اور کہنے لگی، ”اس طرح تو ہمارے پاس بہت زیادہ وقت ہوگا۔“

اگلی صبح ہی مقصود نے انمول طریقوں کا آغاز کیا۔ شروع شروع میں یہ سب کچھ اس قدر آسان نہیں تھا اور وہ بہت پریشان ہو گئے۔ ان کے بچے بھی اپنے باپ کے رویئے کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ اپنی بیوی کے تعاون سے وہ فقط دو ماہ میں اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

وہ انمول باپ بن گئے!

اور سب سے اہم بات انہوں نے یہ کی کہ اپنے بچوں کو بھی ان انمول طریقوں کی ترغیب دی۔

انہوں نے ان تمام اقدامات اور طریقوں کا ایک خلاصہ تیار کیا اور اپنے ہر بچے کو اس کی ایک ایک نقل تیار کر کے دی تا کہ انہیں یہ طریقے ازبر ہو جائیں۔

”ہمت کریں، منزل آپ کی راہ دیکھ رہی!“

مقصود اپنے ماضی کے ان لمحات میں کھوئے ہوئے تھے۔ وہ بہت خوش تھے کہ انہوں نے وہ سب کچھ تحریر کرلیا جو انمول باپ سے سیکھا تھا۔ انہوں نے یہ تمام معلومات کمپیوٹر میں محفوظ کر رکھی تھیں اور ہمہ وقت اس کی نقلیں کسی بھی ضرورت مند کو دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ ایک دن انہیں میری یاد آئی، کیونکہ میں نے ہی انہیں انمول باپ کے پاس بھیجا تھا۔ اُنہوں نے شکریئے کے لئے مجھے فون کیا۔ میں نے پہلا سوال یہ کیا، ”آپ انمول باپ تو بن گئے لیکن کیا یہی طریقے آپ اپنے ماتحتوں اور سائلوں پر بھی استعمال کرتے ہیں؟ مقصود نے چپ سادھ لی۔“

میں نے کہا، ”آپ شاباش کے حق دار ہیں، آپ چاہیں تو انمول پولیس مین بھی بن سکتے ہیں۔“

جن لوگوں کے پاس انمول طریقوں کی نقلیں موجود تھیں، وہ انہیں بار بار پڑھتے رہتے تھے تا کہ یہ طریقے ان کی ہڈیوں میں اُتر جائیں اور وہاں سے اُبھر کر منزل کا پتا دیں۔ کسی چیز کے عملی استعمال کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کو بار بار دُہرایا اور یاد کیا جائے۔ جلد ہی اڑوس پڑوس میں کئی ”انمول باپ“ بن گئے۔ وہ صحت منداور خوشحال زندگی گزار رہے تھے، ان کی زندگی میں پریشانی اور بے چینی بہت کم تھی۔

”چراغ سے چراغ جلتا رہے تو روشنی بڑھتی رہتی ہے!“

ان کے بچے یہ سیکھ چکے تھے کہ اپنی ذات سے محبت اور احترام کا رشتہ کیسے بنایا جاتا ہے؟ عزت نفس کی دولت پانے کے بعد دوسروں کے ساتھ اُن کا تال میل بھی بہترین ہے۔

اس گھرانے کو وہ اکثر مسائل پیش نہیں آرہے تھے جن میں دوسرے گھرانے گرفتار تھے۔ انہیں ایسی خوشی نصیب ہوئی تھی جو اُن گھرانوں میں نظر آتی ہے جو اپنا مقدر بناتے ہیں۔

مقصود اپنی پسندیدہ کرسی سے اُٹھے اور گھر میں چہل قدمی کرنے لگے۔ وہ اس وقت گہری سوچوں میں گم تھے۔ اچانک ان کے کانوں میں اپنی بیوی کی آواز سنائی دی، ”جانو، فون پر ایک خاتون موجود ہیں وہ ہمارے پاس آکر اپنے بچوں کی پرورش کے سلسلے میں ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ کے ساتھ شامل ہو کر مجھے خوشی ہوگی۔“

اتوار کی صبح وہ اور ان کی بیوی ایک خوبصورت اور ذہین خاتون سے گفتگو کر رہے تھے۔

وقت گزرتا رہا، انمول طریقے مقصود کی پیشہ وارانہ زندگی کا حصہ بن گئے۔ ایک دن انہوں نے مجھے فون کیا اور کہا، ”ڈاکٹر صاحب! مبارک ہو، میں ایک انمول پولیس مین بن چکا ہوں۔“

آپ کی کہانی برسوں یاد رہے گی! میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اظہارِ تشکر!

انمول باپ، مینارہ نور! کا بنیادی تصور میں نے اپنے اساتذہ کی تعلیمات سے مستعار لیا۔ ان میں سب سے نمایاں ڈاکٹر کینتھ بلانچرڈ اور ڈاکٹر سپینسر جانسن ہیں جنہوں نے مجھے انمول گول سیٹنگ، انمول شاباش اور انمول نظر ثانی کے ہنر سکھائے۔ ان سے پہلے 1970ء میں ڈاکٹر ورنان جانسن اور ڈاکٹر ہنری کیمپ نے ان انمول نظریات کی بنیادیں اٹھانا شروع کر دی تھیں۔ میں نے ڈاکٹر شیفالی سبارے سے بھی بہت کچھ سیکھا جنہوں نے بچوں کی تربیت پر انمول نظریات کو پروان چڑھایا۔

شیم سے نجات اور عزتِ نفس بڑھانے کے نسخے میں نے ڈاکٹر جان بریڈشاہ سے سیکھے۔ خوف سے نجات کا سبق براہِ راست ڈاکٹر البرٹ بین ڈورا سے سیکھنے کا شرف حاصل کیا۔

مشکل بندے سے مشکل موضوع پر بات کرنا جبکہ نفع نقصان بہت بڑا ہو اور فضا میں جذباتی گرد اُڑی ہو میں نے وائٹل اسمارٹ کے جوزف گرینی سے سیکھنے کا شرف حاصل کیا۔

گذشتہ 45 سال میں سب سے انمول سبق ان والدین سے سیکھے جنہوں نے صبر اور استقامت سے اپنے بچوں کو نشے سے نجات دلا کر بحالی کے رستے پر ڈالا۔

اس کتاب کی تیاری میں اپنے ساتھیوں، کامران اعجاز اور سلطان ثاقب بلوچ کی معاونت کیلئے شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر صداقت علی

پیداوار، منافع اور خوشحالی بڑھائیں!

انمول مینجر کے میٹھے بول!

ڈاکٹر صداقت علی

چھوٹی سی کتاب
جو بڑے
نتائج دیتی ہے

ولنگ ویز پبلی کیشنز 71A جیل روڈ لاہور۔
042-35408412,35408419

انمول ماں، تگڑی ماں!

ڈاکٹر صداقت علی

چھوٹی سی کتاب
جو بڑے
نتائج دیتی ہے

ولنگ ویز پبلی کیشنز 71A جیل روڈ لاہور۔
042-35408412,35408419